سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

240/=

جواہرِ اردو

جماعت نہم

خصوصیات

1: مصنفین کا تعارف
1: مشکل الفاظ کے معانی
1: معروضی سوالات
1: آسان عام فہم انداز
1: سیاق و سباق و خلاصہ جات
1: بورڈ پیٹرن کے عین مطابق
1: جدید کورس کے مطابق
1: کتابی گرائمر کا حل

مرتب:
جنید مسعود
لیکچرر اردو

پاکستان سائنس سکول اینڈ کالج، ایبٹ آباد
رابطہ نمبر 0314-4470007

یہ تھے ہمارے لیڈر

پاکستان کی پہلی کابینہ کا اجلاس تھا۔

اس اجلاس میں قائداعظم بھی موجود تھے۔۔۔

اے ڈی سی گل حسین نے قائداعظم سے پوچھا:

سر! اجلاس میں چائے پیش کی جائے یا کافی؟؟؟

قائداعظم نے چونک کر سر اٹھایا اور فرمایا

یہ لوگ گھروں سے چائے، کافی پی کر نہیں آئے؟؟

اے ڈی سی گھبرا گیا۔۔

قائداعظم نے فرمایا:

جس وزیر نے چائے، کافی پینی ہے وہ گھر سے پی کر آئے یا پھر گھر جا کر پئے۔

قوم کا پیسہ قوم کے لئے ہے وزیروں کے لئے نہیں

Becom a good Nation

تعارف : مولانا شبلی نعمانی

مولانا شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء کو یو۔ پی کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک قصبہ بندول میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔
آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبے میں حاصل کی، فقہ کی تعلیم رام پور میں اور علم حدیث کی تعلیم سہارن پور میں حاصل کی۔
مولانا شبلی نعمانی سرسید کے کالج مسلم کالج علی گڑھ میں بطور پروفیسر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۸۸۲ء میں آپ نے پروفیسر آرنلڈ کے ساتھ اسلامی ممالک کا دورہ کیا۔ ترکی حکومت نے آپ کو تمغہ مجیدیہ اور انگریزی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ سرسید کی وفات کے بعد آپ نے لکھنؤ میں "ندوۃ العلماء" کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔ اور اعظم گڑھ کے مقام پر "دارالمصنفین" کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ بنایا۔
مولانا شبلی کا شمار اردو کے عناصرِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ آپ کا بیان عالمانہ، لہجہ پُرجوش اور عبارت مختصر ہے۔ تاریخ نگاری اور تنقید نگاری میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

نمایاں تصانیف :

۱۔ سیرت النعمان ۲۔ الفاروق ۳۔ المامون
۴۔ الغزالی ۵۔ سوانح مولانا روم ۶۔ سیرت النبیؐ

فرہنگ سبق : اخلاق نبویؐ

مداومت	مسلسل عمل	تعظیم	عزت۔ احترام
استقلال	مستقل مزاجی	فطرت ثانیہ	پکی عادت
ظرافت	ہنسی مزاح	بدوی	صحرائی۔ دیہاتی
دام	قیمت۔ جال	قوی مانع	بڑی رکاوٹ
متانت	سنجیدگی	ممولا	چھوٹا پرندہ
شکم	پیٹ	ایثار	قربانی
گرانی	تکلیف	عُسرت	مفلسی
تنقید	صفائی	میوہ	پھل

معروضی سوالات

۱. مولانا شبلی نعمانی ضلع ...... کے ایک قصبے بندول میں پیدا ہوئے۔
الف: اعظم گڑھ　　ب: فتح گڑھ

۲. مولانا شبلی کے والد کا نام ...... تھا۔
الف: شیخ خلیل اللہ　　ب: شیخ حبیب اللہ

۳. ترکی حکومت نے مولانا شبلی کو ...... عطا کیا۔
الف: تمغہ جرأت　　ب: تمغہ مجیدیہ

۴. انگریزی حکومت نے مولانا شبلی کو ...... کا خطاب دیا۔
الف: شمس العلماء　　ب: سر

۵. مولانا شبلی نے لکھنؤ میں ...... کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔
الف: ندوۃ العلماء　　ب: مجلس العلماء

۶. مولانا شبلی نے اعظم گڑھ کے مقام پر ...... کے نام سے تحقیقی ادارہ بنایا۔
الف: دارالمعلمین　　ب: دارالمصنفین

۷. مولانا شبلی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ...... کی تصنیف ہے۔
الف: سیرت النعمان　　ب: سیرت النبیؐ

۸. انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ وہ اس کی ...... بن جائے۔　الف: فطرتِ ثانیہ　　ب: فطرتِ اُولیٰ

۹. غریب سے غریب بیمار ہوتا تو ...... کو تشریف لے جاتے۔
الف: عیادت　　ب: علاج

۱۰. ہر جان خدا ہی کی ...... پر پیدا ہوتی ہے۔
الف: مرضی　　ب: فطرت

۱۱. خدا کے نزدیک تمہارے ...... زیادہ ہیں۔
الف: دام　　ب: اعمال

۱۲۔ صاحبزادوں کے ہاتھ سے ۔۔۔۔۔۔ اتار لیئے۔

الف: کنگن　　　　ب: زیور

۱۳۔ حسنین سے بے انتہا محبت تھی، فرمانتے تھے کہ یہ میرے ۔۔۔۔۔۔ ہیں

الف: پھول　　　　ب: گلدستے

۱۴۔ سب نے بسر و چشم ۔۔۔۔۔۔ کیا۔

الف: قبول　　　　ب: منظور

۱۵۔ آپؐ کے اخلاق و عادات میں سب سے نمایاں وصف ۔۔۔۔۔۔ تھا

الف: احسان　　　　ب: ایثار

۱۶۔ آپؐ مجالس صحبت میں لوگوں کی ۔۔۔۔ باتوں کو برداشت فرماتے۔

الف: ناگوار　　　　ب: سخت

۱۷۔ فرمایا کہ ۔۔۔۔۔ کی طرح تعظیم کے لیئے نہ اٹھو۔

الف: اہلِ عجم　　　　ب: اہلِ عرب

۱۸۔ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق ۔۔۔۔ لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔

الف: خوشبو　　　　ب: زعفران

۱۹۔ حضرت زینبؓ نے شوہر کی رہائی کے لیئے فدیے کے طور پر اپنا ۔۔۔۔ بھیجا

الف: ہار　　　　ب: جھومر

۲۰۔ ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں ۔۔۔۔۔ ہے۔

الف: بیماری　　　　ب: گرانی

۲۱۔ بدوی صحابی کا نام ۔۔۔۔۔ تھا۔

الف: حضرت زاہرؓ　　　　ب: حضرت زبیرؓ

۲۲۔ آپؐ فصل کا نیا میوہ ہمیشہ ۔۔۔۔ بچے کو عنایت فرماتے

الف: بڑے　　　　ب: کم عمر

۲۳۔ سبق "اخلاق نبویؐ" ۔۔۔۔۔ کی تصنیف ہے۔

الف: شبلی نعمانی　　　　ب: سلیمان ندوی

مشق

[illegible]
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4476007

۱۔ مختصر جواب دیں۔

۱۔ مصنف نے اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو کیا بتایا ہے؟

ج: مصنف شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اخلاقِ نبویؐ" میں اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ بتایا ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے، اُس پر اِس قدر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت ثانیہ یعنی پکی عادت بن جائے۔ مثلاً اگر کسی نے سچائی کی صفت کو اپنایا ہوا ہے تو وہ ہمیشہ سچ بولے اور جھوٹ سے ہمیشہ گریز کرے۔

۲۔ اگر کسی کی بات ناگوار لگتی تو آپؐ کیا فرماتے تھے؟

ج: مصنف شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اخلاقِ نبویؐ" میں بتایا ہے کہ نبیؐ اپنی مجالس میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے تھے اور خفگی کا اظہار نہ کرتے تھے، اور نہ اس شخص کے سامنے اس کا تذکرہ فرماتے تھے۔ بلکہ عمومی انداز میں سب کو سمجھاتے تھے تاکہ وہ خاص شخص شرمندگی محسوس نہ کرے اور اُسکی اصلاح بھی ہو جائے۔

۳۔ مصنف نے آپؐ کے اخلاق کا سب سے نمایاں وصف کیا بتایا ہے؟

ج، مصنف شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اخلاقِ نبویؐ" میں بتایا ہے کہ آپؐ کے اخلاق کا سب سے نمایاں وصف ایثار تھا، جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا۔ یعنی آپؐ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اور اپنی ضرورت پوری کرنے سے پہلے اَوروں کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔

۴۔ جب لوگ آپؐ کی تعظیم کے لیئے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے کیا فرمایا؟

ج: مصنف شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اخلاقِ نبویؐ" میں بتایا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے تو لوگ آپؐ کی تعظیم کے لیئے کھڑے ہوگئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لیئے نہ اٹھو۔ یعنی جس طرح عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کی تعظیم کرتے ہیں، اس طرح میری تعظیم نہ کرو کیونکہ مجھے عاجزی پسند ہے۔

۵۔ جب کسی فصل کا نیا میوہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپؐ کیا فرماتے تھے؟
ج: مصنف شبلی نعمانی نے اپنے سبق "اخلاقِ نبویؐ" میں بتایا ہے کہ آپؐ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص فصل کا نیا میوہ آپؐ کی خدمت میں پیش کرتا تو آپؐ حاضرین میں سے سب سے کم عمر بچے کو وہ میوہ عنایت فرماتے تھے۔

۶۔ جب کبھی حضرت فاطمہؓ آپؐ کے پاس آتیں، تو آپؐ کیا کرتے تھے؟
ج: مصنف شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اخلاقِ نبویؐ" میں بتایا ہے کہ جب کبھی حضرت فاطمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپؐ فرطِ مسرت سے کھڑے ہو کر ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھا دیتے۔ یہ طرزِ عمل محبت کی وجہ سے تھا اور اُمت کے لیئے تعلیم بھی تھی کہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آیا کرو۔

۷۔ حضرت حسینؓ کے متعلق آپؐ نے کیا فرمایا تھا؟
ج: مصنف شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اخلاقِ نبویؐ" میں بتایا ہے کہ حضورؐ نے اپنے نواسے حضرت حسینؓ کے متعلق فرمایا تھا کہ "حسینؓ میرا ہے اور میں اُس کا ہوں۔ خدا اُس سے محبت رکھے جو حسینؓ سے محبت رکھتا ہے۔" اور بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو دنیا میں اپنا پھول قرار دیا تھا۔

۸۔ حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیئے فدیے کے طور پر کیا چیز ارسال کی تھی؟
ج: مصنف شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اخلاقِ نبویؐ" میں بتایا ہے کہ حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیئے فدیے کے طور پر اپنے گلے کا وہ ہار بھیجا تھا جو ان کو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا۔

س ۲: جملے مکمل کریں۔
ج: معروضی سوالات ملاحظہ کریں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاک ... کالج
.../0007

س ۳ : سیاق و سباق کے حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباس کی وضاحت کریں

اقتباس : مجلس نبویؐ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی۔ جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیئے آپؐ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کہتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اس لیئے فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساسِ غیرت میں کمی نہ آجائے۔

حمیدہ مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ج ، **متن کا حوالہ** :-

یہ اقتباس مولانا شبلی نعمانی کے مضمون "اخلاق نبویؐ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق :-

آپؐ حُسنِ اخلاق کا بہترین نمونہ تھے۔ آپؐ کی خدمت میں حاضر رہنے والے صحابہ کا متفقہ طور پر یہ کہنا ہے کہ حضورؐ نہایت نرم مزاج، نیک سیرت اور خوش اخلاق تھے۔ آپؐ ہمیشہ سلام اور مصافحہ میں پہل فرماتے تھے۔ اور جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو اُس وقت تک اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے۔ آپؐ اپنی مجلس میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے تھے اور کبھی خفگی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوا مگر آپؐ نے اسے کچھ نہ کہا اور بعد میں لوگوں سے فرمایا کہ اس آدمی سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالے۔

وضاحت :-

اس اقتباس میں مصنف بتا رہے ہیں کہ نبیؐ کی محفل میں صحابہ کرام بڑی تعداد میں حاضر رہا کرتے تھے۔ جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تو جگہ بھر جاتی تھی اور بعد میں آنے والے لوگوں کے بیٹھنے کے لیئے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ چنانچہ بعد میں آنے والے کے لیئے آپؐ اپنی نبوت والی پاک چادر بچھا دیا کرتے تھے تاکہ

وہ آرام سے محفل میں بیٹھ سکے۔ اور آپؐ کی ایک اچھی عادت یہ بھی تھی کہ کسی شخص کی کوئی بات اگر آپؐ کو بری لگتی تو آپؐ بھری محفل میں اس کا نام لیکر اس برائی کا ذکر نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے سمجھانے کی خاطر عمومی انداز میں فرماتے تھے کہ کچھ لوگوں کی یہ بری عادت ہے یا کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں۔ آپؐ یہ عمومی اور غیرواضح انداز اس لیئے اختیار فرماتے تھے تاکہ اس خاص شخص کی رسوائی نہ ہو اور اس کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اور اس کے غیرت کے احساس میں بھی فرق نہ آئے اور وہ سمجھ بھی جائے اور اپنی اصلاح کر لے۔

س ۴: مندرجہ ذیل الفاظ کے مترادف لکھیں۔

الفاظ	مترادف	الفاظ	مترادف
متانت	سنجیدگی	ارشاد	فرمان
مجلس	محفل	بہشت	جنت
میوہ	پھل	دام	قیمت / مول

اسناد:

جملے کے دو بڑے اجزا ہوتے ہیں، جن میں ایک تعلق پایا جاتا ہے، یہ تعلق کلام کو پورا کرتا ہے اور سننے والے کو اس جملے میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اس تعلق کو "اسناد" کہتے ہیں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

مسند الیہ:

جملے میں جس شخص یا چیز کے بارے میں کچھ کہا جائے اسے "مسند الیہ" کہتے ہیں۔

مسند:

جملے میں جو کچھ کہا جائے، اُسے "مسند" کہتے ہیں۔

مثالیں:

۱۔ فواد نیک ہے   ۲۔ عدنان لکھتا ہے۔

ان مثالوں میں فواد اور عدنان "مسندالیہ" ہیں اور "نیک ہے" "لکھتا ہے" مسند ہیں۔

مندرجہ ذیل جملوں میں مسندالیہ اور مسند کی پہچان کریں۔

۱۔ حمیرا پڑھتی ہے

مسندالیہ : حمیرا   مسند : پڑھتی ہے۔

۲۔ اسلام آباد ایک خوبصورت شہر ہے۔

مسندالیہ : اسلام آباد   مسند : ایک خوبصورت شہر ہے۔

۳۔ زبیر سکول جاتا ہے۔

مسندالیہ : زبیر   مسند : سکول جاتا ہے۔

۴۔ باڑہ گلی ایک صحت افزا مقام ہے۔

مسندالیہ : باڑہ گلی   مسند : ایک صحت افزا مقام ہے۔

۵۔ نعمان نے گوشت خریدا۔

مسندالیہ : نعمان   مسند : نے گوشت خریدا۔

۶۔ سائرہ اچھی لڑکی ہے۔

مسندالیہ : سائرہ   مسند : اچھی لڑکی ہے۔

۷۔ فاروق کھیلتا ہے۔

مسندالیہ : فاروق   مسند : کھیلتا ہے۔

تعارف : الطاف حسین حالیؔ

الطاف حسین حالی 1837ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا۔ حالیؔ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم پانی پت میں اور مزید تعلیم دہلی میں حاصل کی۔

آپ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے بچوں کے اتالیق رہے اور شیفتہ کے علم و ادب سے بھرپور استفادہ بھی کیا۔ غالبؔ کے شاگرد رہے اور محمد حسین آزاد کے ساتھ ملکر جدید مشاعروں کی بنیاد ڈالی۔ سرسید کی فرمائش پر آپ نے مشہور نظم "مدّ و جزر اسلام لکھی، جو مسدسِ حالی کے نام سے مشہور ہوئی۔

حالیؔ ایک باصلاحیت ادیب تھے۔ آپ بیک وقت عمدہ نثر نگار، اعلیٰ شاعر اور بہت بڑے نقاد تھے۔ مگر جو چیز انہیں اردو ادب میں منفردِ مقام عطا کرتی ہے، وہ ان کی تنقید نگاری ہے۔ حالی کو اردو کا پہلا باقاعدہ تنقید نگار مانا جاتا ہے۔ آپ زبان سے زیادہ مطلب پر توجہ دیتے ہیں۔ آپ کی تحریر میں اصلاحی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔

نمایاں تصانیف:

۱. حیاتِ سعدی ۲. یادگارِ غالب ۳. حیاتِ جاوید

۴. مقدمہ شعروشاعری ۵. طبقات الارض ۶. دیوانِ حالی

فرہنگ

سبق : اسلام میں گداگری کی مذمت

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

گداگری	بھیک مانگنا	انسداد	روک تھام
تاوان	جرمانہ	داد و دہش	سخاوت
حق تلفی	حق مارنا	مرضِ متعدی	وبا
اضطراری	بے چینی	پنج گانہ	پانچ وقت
ملعون	لعنتی	مضر	نقصان دہ
مذمت	برائی	فہمائش	سمجھانا

"معروضی سوالات"

۱۔ الطاف حسین حالی ...... میں پیدا ہوئے۔

الفؔ؛ پانی پت　　　ب؛ دہلی

۲۔ الطاف حسین حالی کے والد کا نام ...... تھا۔

الف؛ خواجہ غلام بخش　　　بؔ؛ خواجہ ایزد بخش

۳۔ حالیؔ ...... کے بچوں کے اتالیق بھی رہے۔

الف؛ مرزا غالب　　　بؔ؛ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ

۴۔ الطاف حسین حالی ...... کے شاگرد تھے

الفؔ؛ مرزا غالب　　　ب؛ سرسید

۵۔ حالیؔ سرسید کی ...... تحریک کے سرگرم رکن تھے۔

الف؛ دینی　　　بؔ؛ اصلاحی

۶۔ سرسید کی فرمائش پر حالیؔ نے مشہور نظم ...... لکھی۔

الفؔ؛ مدوجزر اسلام　　　ب؛ جوابِ شکوہ

۷۔ حالی کو اردو کا پہلا باقاعدہ ...... تسلیم کیا جاتا ہے۔

الفؔ؛ تنقید نگار　　　ب؛ تاریخ نگار

۸۔ "اسلام میں گداگری کی مذمت" ...... کی تصنیف ہے۔

الف؛ سرسید　　　بؔ؛ الطاف حسین حالی

۹۔ اگر کسی سوار کے ہاتھ سے ...... بھی گر جاتا، تو کسی راہ چلتے سے اٹھانے کو نہ کہتا۔

الفؔ؛ کوڑا　　　ب؛ سامان

۱۰۔ وہ شخص کثرت سے اپنے لیئے ...... دوزخ طلب کرتا ہے۔

الفؔ؛ آتش　　　ب؛ عذاب

۱۱۔ جس شخص نے اللہ کے نام پر سوال کیا وہ ...... ہے

الف؛ گناہ گار　　　بؔ؛ ملعون

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

۱۱۔ جب تُو قیامت کے دن آئے تو تیرے چہرے پر ۔۔۔۔۔۔ مانگنے کا داغ ہو۔

الفؔ: بھیک ب: روٹی

۱۲۔ بھیک مانگنے کا بدترین پیشہ مرض متعدی کی طرح افراد و اقوام میں ۔۔۔۔۔۔ کرتا جاتا ہے۔

الف: شمولیت بؔ: سرایت

۱۳۔ حضرت عمرؓ نے سائل سے فرمایا: تُو سائل نہیں ۔۔۔۔۔ ہے

الفؔ: تاجر ب: پاگل

۱۴۔ اندلس میں اپاہج اور معذور کے سوا کوئی ۔۔۔۔۔ نظر نہیں آتا۔

الف: آدمی بؔ: سائل

۱۵۔ علماء اور واعظین کو لازم ہے کہ وہ وعظ کی مجلسوں میں سوال کی ۔۔۔۔ کریں

الفؔ: مذمت ب: تعریف

۱۶۔ صحابی کی کمبلی اور پیالہ کتنے میں فروخت ہوئے؟

الفؔ: دو درہم ب: ایک درہم

۱۷۔ صحابی نے دوسرے درہم سے کیا خریدا؟

الف: آٹا بؔ: کلہاڑا

۱۸۔ آپؐ ۔۔۔۔۔۔ سائلوں کا سوال پورا کرنے سے خوش نہ ہوتے تھے۔

الفؔ: غیر مستحق ب: ضرورت مند

۱۹۔ سائل کی جھولی ۔۔۔۔۔ سے بھری ہوئی تھی۔

الف: اشرفیوں بؔ: روٹیوں

۲۰۔ سبق اسلام میں گداگری کی مذمت ۔۔۔۔۔ سے اخذ کیا گیا ہے۔

الفؔ: مقالاتِ حالی ب: دیوانِ حالی

مشق

س ۱: متن کے حوالے سے خالی جگہیں پُر کریں۔

ج : معروضی سوالات ملاحظہ کریں۔

س ۲: سوار راہ چلتوں سے کیوں نہیں کہتے تھے کہ زمین سے ذرا یہ کوڑا تو اٹھا دو؟

ج : مصنف الطاف حسین حالی نے اپنے مضمون "اسلام میں گداگری کی مذمت" میں بتایا ہے کہ نبیؐ نے صحابہ کے دلوں میں سوال کرنے کی نفرت اس قدر بٹھائی ہوئی تھی کہ اگر کسی سوار کے ہاتھ سے کوڑا بھی گر جاتا تو وہ کسی راہ چلتے شخص سے یہ نہیں کہتا تھا کہ زمین سے ذرا یہ کوڑا تو اٹھا دو، کیونکہ اسے ڈر ہوتا تھا کہ کہیں یہ بھی سوال میں داخل نہ ہو۔

س ۳: کوئی ایسی روایت لکھیں، جس سے یہ ثابت ہو کہ رسولؐ پاک بھیک مانگنے کو ناپسندیدہ فعل قرار دیتے تھے؟

ج : عائذؓ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگ جان لو کہ سوال کرنے کے کیا (برے) نتائج ہیں، تو کوئی شخص سوال کرنے کے لیئے دوسرے شخص کی طرف رُخ نہ کرے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ بھیک مانگنے کے عمل کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔

س ۴: گداگری سے کون کون سی انفرادی اور اجتماعی برائیاں جنم لیتی ہیں؟

ج : گداگری سے جنم لینے والی انفرادی اور اجتماعی برائیاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ انفرادی برائیاں:۔

آدمی کی شرم وحیا ختم ہو جاتی ہے۔ وہ ڈھیٹ اور بے حس بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جھوٹ کا عادی بن جاتا ہے اور محنت سے جی چرانے لگتا ہے۔

۲۔ اجتماعی برائیاں:۔

گداگری کا رجحان عام ہو جائے تو معاشرے میں ناکارہ

افراد کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے اور ایسی قوم اپنے زورِ بازو پر انحصار کرنے کے بجائے دوسروں پر آس لگا کر بے توقیری کا شکار ہو جاتی ہے۔

س ۵: علامہ مقری نے تاریخِ اندلس میں سائلوں کے بارے میں کیا لکھا ہے؟

ج: علامہ مقری نے تاریخِ اُندلس میں سائلوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اُندلس میں جس سائل کو تندرست اور کام کے لائق دیکھتے ہیں تو اس کو نہایت ذلیل کرتے اور سخت سُست کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اندلس میں اپاہج اور معذور آدمی کے سوا کوئی سائل نظر نہیں آتا۔ اور غریب سے غریب آدمی بھی سوال کرنے کے بجائے کام کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔

س ۶: حضرت عمرؓ نے یہ کیوں فرمایا کہ تُو سائل نہیں، تاجر ہے؟

ج: حضرت عمرؓ نے ایک سائل کی آواز سُنی تو اسے بھوکا سمجھ کر کھانا کھلانے کا حکم دیا، مگر تھوڑی دیر بعد دوبارہ اس کی آواز سنائی دی جو کھانا کھانے کے بعد دوبارہ سوال کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو بلوا کر دیکھا کہ اُس کی جھولی روٹیوں سے بھری ہوئی تھی تو آپؓ نے فرمایا کہ تُو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے۔ کیونکہ اگر تُو واقعی ضرورت مند ہوتا تو ضرورت پوری ہونے کے بعد دوبارہ سوال نہ کرتا۔

س ۷: مصنف نے علماء اور واعظین سے کیا درخواست کی ہے؟

ج: مصنف الطاف حسین حالی نے اپنے مضمون "اسلام میں گداگری کی مذمت" کے آخر میں علماء اور واعظین سے درخواست کی ہے کہ وہ نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ وعظ کی مجلسوں میں گداگری کی مذمت بیان کریں، اور فضول خرچی کی برائی جو قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے، عام مسلمانوں کو ذہن نشین کرائیں اور ان کے دلوں میں اس بات کو بٹھا دیں کہ ہٹے کٹے بھکاریوں کو کچھ دینا نیکی نہیں بلکہ گناہ ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو [illegible] کالج
[illegible] 07

س ٨ : واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیں۔

واحد	جمع	واحد	جمع	جمع	واحد
سوال	سوالات	تاجر	تُجار	اشخاص	شخص
مطلب	مطالب	ملک	ممالک	احادیث	حدیث
احسان	احسانات	مستحق	مستحقین	اقوام	قوم
		حاجت	حاجات		

س ٩ : مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
گناہ	ثواب	تندرست	بیمار	دوزخ	جنت
نیکی	بدی	آگ	پانی	حرام	حلال
آزادی	غلامی	فروخت	خرید	ناداری	خوشحالی
مسلمان	کافر				

س ١٠ : درج ذیل الفاظ وتراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ وتراکیب	جملے
مذمت	غیبت ایک قابلِ مذمت برائی ہے۔
انسداد	جرائم کا انسداد انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔
مسائل	ہمارے مسائل کا حل قرآن وسنت میں پوشیدہ ہے۔
دھتکارنا	گداگر کو دھتکارنا جائز نہیں ہے۔
آتشِ دوزخ	خدا ہم سب کو آتشِ دوزخ سے محفوظ رکھے۔ آمین
دروغ گوئی	دروغ گوئی ایک بری عادت ہے۔
دستِ مبارک	مہمان خصوصی نے اپنے دستِ مبارک سے طلباء کو انعام دیا۔
خون بہا	قاتل نے مقتول کے ورثاء کو خون بہا دیکر اپنی جان چھڑائی۔
ممانعت	اسلام میں گالی دینے کی سخت ممانعت ہے۔

س ۱۱ : **فعل ناقص** :

فعل ناقص وہ فعل ہے کہ جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم یا صفت اس کے ساتھ نہ لگے ، وہ بات کو مکمل نہیں کرتا۔

جیسے : "ہے ، ہیں ، ہوں ، ہو ، تھا ، تھے ، تھی ، تھیں"

آپ اس سبق میں سے پانچ جملے منتخب کر کے فعل ناقص کی نشاندہی کریں۔

۱۔ وہ ملعون ہے ۔ فعل ناقص : ہے

۲۔ بھیک مانگنے کا داغ ہو ۔ فعل ناقص : ہو

۳۔ نہایت مذموم سمجھا جاتا تھا ۔ فعل ناقص : تھا

۴۔ علامہ مقری تاریخ اندلس میں لکھتے ہیں ۔ فعل ناقص : ہیں

۵۔ خوش نہ ہوتے تھے ۔ فعل ناقص : تھے

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان ... کالج

س ۱۲ : **جملہ اسمیہ** :

جس جملے میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں اور فعل ناقص آئے ، اسے جملہ اسمیہ کہا جاتا ہے۔ جملہ اسمیہ کے فاعل کو مبتدا اور صفت کو خبر کہا جاتا ہے۔

جملہ اسمیہ کے تین بنیادی اجزا ہوتے ہیں۔ ۱۔ مبتدا ۲۔ خبر ۳۔ فعل ناقص

مثالیں :۔

۱۔ کامران نیک لڑکا ہے

اس مثال میں "کامران" مبتدا ، "نیک لڑکا" خبر اور "ہے" فعل ناقص ہے۔

۲۔ ایبٹ آباد خوبصورت شہر ہے۔

اس مثال میں "ایبٹ آباد" مبتدا ، "خوبصورت شہر" خبر اور "ہے" فعل ناقص ہے۔

۳۔ رستم مشہور پہلوان تھا۔

اس مثال میں "رستم" مبتدا ، "مشہور پہلوان" خبر اور "تھا" فعل ناقص ہے۔

س: سیاق و سباق کا حوالہ دے کر اقتباس کی وضاحت کریں

اقتباس: خاص کر ہمارے علماء اور واعظین کو لازم ہے کہ نہایت آزادی اور بے باکی سے وعظ کی مجلسوں میں سوال کی مذمت کریں، جو حدیثوں میں وارد ہوئی ہے .... ان کے دلوں میں بٹھا دیا جائے کہ ہٹے کٹے بھیک مانگنے والوں کو کچھ دینا بجائے نیکی اور بھلائی کے الٹا گناہ کا مرتکب ہونا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ج، متن کا حوالہ:

یہ اقتباس الطاف حسین حالی کے مضمون "اسلام میں گداگری کی مذمت" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:

اسلام میں گداگری کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ حضورؐ بھی سائل کے سوال کو سخت ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے اللہ کے نام پر سوال کیا وہ ملعون ہے۔ حضورؐ کے بعد لمبے عرصے تک اسلامی ممالک میں سوال کرنا سخت برا سمجھا جاتا تھا اور اندلس میں تو تندرست اور کام کے لائق بھکاری کو نہایت ذلیل کیا جاتا تھا۔ مگر افسوس اب ہمارے ملک میں جس قدر مسلمان بھیک مانگتے نظر آتے ہیں، اس قدر اور کسی قوم کے افراد نظر نہیں آتے۔

وضاحت:

سوال میں دی گئی عبارت سبق کے آخر سے لی گئی ہے اور مصنف اس عبارت میں بتا رہے ہیں کہ ہمارے علماء اور واعظین گداگری کی لعنت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیئے ضروری ہے کہ ہمارے علماء اور واعظین نہایت بے باکی اور جرأت مندی کے ساتھ اپنے وعظ کی مجلسوں میں قرآن و حدیث کا حوالہ دیکر گداگری کی مذمت بیان کریں۔ اور گداگروں کی کثرت سے جو برے اثرات ملک و قوم پر مرتب ہوتے ہیں، ان سے بھی آگاہ کریں۔ اسی طرح بے جا خرچ کرنے کی برائی بھی قرآن پاک کی روشنی میں لوگوں کو سمجھا دیں۔ اس کے علاوہ یہ شعور بھی عوام کے اندر بیدار کریں کہ صدقہ خیرات کا ثواب تب ہی ملتا ہے جب وہ کسی مستحق کو دیا جائے۔ اور صحیح سالم پیشہ ور بھکاریوں کو کچھ دینا نیکی اور بھلائی نہیں ہے بلکہ الٹا گناہ کا ارتکاب ہے۔ اس لیئے مستحق لوگوں کی امداد کریں اور پیشہ ور بھکاریوں کو کچھ دیکر گناہ نہ کمائیں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

تعارف : "سرسید احمد خان"

سرسید 1817ء کو دہلی کے ایک معزز علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ دہلی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار کرلی اور محکمۂ قانون میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ 1857ء کی جنگ میں آپ نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں، جس کے صلے میں آپ کو "سر" کا خطاب ملا۔ آپ انگلستان بھی گئے اور وہاں کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں سے بہت متاثر ہوئے اور وطن واپس آ کر اُسی طرز پر مسلم علی گڑھ کالج قائم کیا۔

سرسید نے اردو ادب کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا اور اردو نثر کے پر تکلف اور مشکل انداز کو ترک کرکے سادہ اور سلیس نثر کو فروغ دیا۔ سرسید نے مدعا نگاری کی طرف خاص توجہ دی۔ آپ کی تحریروں میں بول چال کا انداز پایا جاتا ہے۔ سرسید کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ان کا منطقیانہ انداز ہے۔

نمایاں تصانیف :-

۱۔ آثار الصنادید ۲۔ خطبات احمدیہ

۳۔ مقالاتِ سرسید ۴۔ اسباب بغاوتِ ہند ۵۔ تاریخ سرکشیِ بجنور

"فرہنگ" سبق : قومی اتفاق

حبلِ متین	مضبوط رسی	دانست	سوچ
ابنائے جنس	اپنے جیسے انسان	اعانت	مدد
با ایں ہمہ	اس کے باوجود	عداوت	دشمنی
یک جہتی	اتفاق	تنزل	زوال
مصالحت	صلح	بغض	حسد
نیست و نابود	فنا ہو جانا	ریشۂ گیاہ	گھاس کا تنکا
مبدّل	تبدیل	بجُز	سوا

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

"معروضی سوالات"

۱. سرسید دہلی کے ایک معزز ...... خاندان میں پیدا ہوئے

۱. سیاسی ✓۲. علمی

۲. سرسید محکمہ .... میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔

✓۱. قانون ۲. تعلیم

۳. آپ نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں، جس کے صلے میں آپکو .... کا خطاب ملا۔

✓۱. سر ۲. شمس العلماء

۴. سرسید کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت .... ہے۔

۱. فلسفیانہ انداز ✓۲. منطقیانہ انداز

۵. سرسید کیمبرج اور .... یونیورسٹیوں سے بہت متاثر ہوئے۔

✓۱. آکسفورڈ ۲. پنجاب

۶. سرسید کا مضمون .... شاملِ نصاب ہے۔

۱. قومی اتحاد ✓۲. قومی اتفاق

۷. سبق "قومی اتفاق" .... سے ماخوذ ہے۔

✓۱. مقالاتِ سرسید ۲. خطباتِ احمدیہ

۸. بے شک تمام مومن آپس میں .... ہیں۔

✓۱. بھائی بھائی ۲. دوست

۹. موجودہ زمانے میں ہم سب بھائی بھائی تو ہیں مگر مثل .... کے ہیں۔

۱. برادرانِ یعقوب ✓۲. برادرانِ یوسف

۱۰. جس نے ہمارے قبلے کو اپنا .... بنایا وہ مسلمان ہے۔

✓۱. قبلہ ۲. کعبہ

۱۱. ہمارے امور میں ایک حصے کا تعلق خدا سے ہے اور ایک حصے کا .... سے ہے۔

۱. انسانیت ✓۲. ابنائے جنس

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

۱۲۔ جس بات کا اثر اس کی اپنی ذات تک ۔۔۔۔۔۔۔ ہے، ہمیں اس سے غرض نہیں رکھنی چاہیئے۔

۱۔ محدود ۲۔ مطلوب

۱۳۔ مہذب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے وہ سب ۔۔۔۔۔۔ کی بدولت ہے۔

۱۔ تعلیم ۲۔ اتفاق

۱۴۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ہم اہلِ قبلہ کو ۔۔۔۔۔۔ نہیں کہتے۔

۱۔ کافر ۲۔ فاسق

۱۵۔ ہمارے قومی تنزل کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم ۔۔۔۔۔۔ کو بھول گئے ہیں۔

۱۔ قرآن پاک ۲۔ قومی اتفاق

۱۶۔ نبیؐ نے تفرقۂ قومی کو مٹا کر ۔۔۔۔۔۔۔ رشتۂ قوم قائم کیا۔

۱۔ مذہبی ۲۔ روحانی

۱۷۔ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے ۔۔۔۔۔۔ بھائی ہیں۔

۱۔ وطنی ۲۔ سوتیلے

۱۸۔ ہمسائے کا ادب ہمارے مذہب کا ایک اہم ۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

۱۔ حکم ۲۔ جزو

"مشق"

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۱: متن کے حوالے سے خالی جگہیں پُر کریں۔

ج: "معروضی سوالات" ملاحظہ کریں۔

س ۲: کسی ایسی آیت یا حدیث کا ترجمہ لکھیں، جس سے ثابت ہو کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں؟

ج: آیتِ قرآنی:۔

بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں کے مابین صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

س ۳: برادرانِ یوسف سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

ج: برادرانِ یوسف سے مراد:-

برادرانِ یوسف سے مراد حضرت یوسفؑ کے وہ سوتیلے بھائی ہیں جو یوسفؑ سے حسد کرتے تھے اور اسی حسد کی بنا پر انہوں نے یوسفؑ کو ہلاک کرنے کے لیئے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ اب "برادرانِ یوسف" کی اصطلاح دشمن اور برا چاہنے والوں کے لیئے استعمال کی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی درحقیقت حضرت یوسفؑ کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

س ۴: انسان کے کن امور کا تعلق خدا اور انسان کے درمیان ہے؟

ج: مصنف سرسید احمد خان نے اپنے مضمون "قومی اتفاق" میں بتایا ہے کہ انسان کے دل، مذہب اور عقیدے کی اچھائی یا برائی کا تعلق اُس کے اور خدا کے درمیان ہے۔ اور اس میں کوئی دوسرا شخص شریک نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب اور عقیدے کا معاملہ براہِ راست انسان اور خدا کے درمیان ہے۔

س ۵: انسان کے کن امور کا تعلق اپنے جیسے انسانوں سے ہے؟

ج: مصنف سرسید احمد خان نے اپنے مضمون "قومی اتفاق" میں بتایا ہے کہ انسان کی آپس کی محبت، باہمی دوستی، ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی جیسے امور کا تعلق اپنے جیسے انسانوں سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم انہیں حقوق العباد بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ اِن حقوق العباد کو پورا کرنا بھی لازمی ہے۔

س ۶: ہمارے کاموں میں برکت کیوں باقی نہیں رہی؟

ج: مصنف سرسید احمد خان نے اپنے مضمون "قومی اتفاق" میں بتایا ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت اس لیئے باقی نہیں رہی کہ ہم قومی اتفاق کو بھول چکے ہیں۔ ہم سب کو اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے اور ہم ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا ہر کام برکت سے خالی ہے۔ اس لیئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ذاتی فائدے کے بجائے قومی مفاد کو ترجیح دیں اور آپس میں اتفاق واتحاد کو فروغ دیں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۷ : مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ و تراکیب	جملے
زمانۂ دراز	مسلمان زمانۂ دراز سے تنزلی کا شکار ہیں۔
مستحکم	مُلک کو مستحکم بنانے کے لیئے مسلسل محنت ضروری ہے۔
یک جہتی	قومی یک جہتی کے لیئے سب کو اختلافات بُھلا کر آگے بڑھنا ہوگا۔
نفاق	دلوں میں نفاق ہو تو رشتے مضبوط نہیں رہتے۔
با ایں ہمہ	ساجد نے ہمیشہ اپنی ماں کا دل دُکھایا اور نافرمانی کی لیکن با ایں ہمہ ماں نے اس کو کبھی دعا میں نہیں بُھلایا۔
رشتۂ اخوت	اسلام نے ہم سب کو رشتۂ اخوت میں باندھ دیا ہے۔
برادرانہ برتاؤ	ہمیں ہر ایک سے برادرانہ برتاؤ رکھنا چاہیئے۔
تنزل	مسلمان کے تنزل کی بڑی وجہ باہمی اختلافات ہیں۔
پردہ پوشی	کسی کا عیب دیکھو تو اُس کی پردہ پوشی کرو۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
03444470007

س ۸ : اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

ج : **خلاصہ** :-

سرسید احمد خان فرماتے ہیں کہ پرانے زمانے میں قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا۔ لیکن حضرت محمدؐ نے قومیت کے اس نظریے کو مٹا کر کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ایک روحانی رشتۂ قوم قائم کیا۔ چنانچہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے خواہ وہ کسی بھی ملک یا نسل سے ہوں، سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لیکن افسوس ہم سب بھائی تو ہیں مگر یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح ہماری آپس میں دوستی اور محبت بہت کم ہے اور ہمارے اندر حسد اور دشمنی عام ہوچکی ہے۔ ہم شیطان کے دھوکے میں آکر نفاق کو مذہب کا مقدس لباس پہنانے لگتے ہیں اور اللہ کے قائم کردہ رشتۂ اخوت کو توڑ دیتے ہیں۔ سرسید مزید کہتے ہیں کہ ان نااتفاقیوں نے ہماری قوم

کو بہت کمزور کر دیا ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم آپس کے اختلافات کو بھلا کر قومی اتفاق کی فضا قائم کریں۔

انسان کے بعض امور کا تعلق اس کے اور خدا کے درمیان ہے جیسے انسان کا دل، عقائد اور مذہب وغیرہ۔ جبکہ بعض چیزیں انسانوں میں مشترک ہیں جیسے محبت، دوستی، مدد اور ہم دردی وغیرہ، اس لیئے ہمیں انسان کے ذاتی امور کے بجائے مشترک امور سے غرض رکھنی چاہیئے تاکہ خدا کے حکم کی تعمیل بھی ہو اور قومی اتفاق کی فضا بھی ہموار ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ باہمی اتفاق ہی کے ذریعے بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ موجودہ زمانے کے مہذب ممالک کی طاقت بھی اتفاق ہی کی بدولت ہے۔ اور افسوس کہ ہم قومی مفاد کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفاد کو ترجیح دے رہے ہیں، جس کی وجہ سے ہم بحیثیت قوم زوال کا شکار ہیں۔

آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری قوم کو نیکی کا خیال نہیں آتا۔ ہمارے لوگ عالیشان مساجد تعمیر کرتے ہیں، بڑھ چڑھ کر صدقہ خیرات کرتے ہیں، یقیناً ان نیک کاموں کا آخرت میں اجر بھی ملے گا لیکن قومی اتفاق کی کوشش اس سے بھی بڑی نیکی ہے۔ جب قوم کا ہر فرد دل وجان سے اس کوشش میں شریک ہوگا تو ہم بھی اپنے ماضی کی شان حاصل کر سکیں گے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

★ **جملہ فعلیہ:**

جس جملے میں مسند الیہ اسم ہو اور مسند فعل ہو تو ایسے جملے کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں۔

جملہ فعلیہ کبھی صرف فاعل اور فعل سے مل کر بنتا ہے، جیسے

۱. نعمان ہنسا   ۲. کاشف اٹھا   ۳. اکرام دوڑا

اور جملہ فعلیہ کبھی فاعل، مفعول اور فعل سے مل کر بنتا ہے، جیسے

۱. فدا نے روٹی کھائی۔   ۲. امجد نے سائیکل چلائی۔

ان مثالوں میں فدا اور امجد فاعل ہیں، روٹی اور سائیکل

"مفعول" ہیں، کھائی اور چلائی "فعل" ہیں۔

س ۹: پانچ فعلیہ جملے لکھیں اور ان میں فاعل، مفعول اور فعل کی نشاندہی کریں۔

ج:

جملہ	فاعل	مفعول	فعل
۱. نعمان نے گوشت خریدا۔	نعمان	گوشت	خریدا
۲. امی نے کھانا بنایا۔	امی	کھانا	بنایا
۳. امام نے نماز پڑھائی۔	امام	نماز	پڑھائی
۴. موذن نے اذان دی۔	موذن	اذان	دی
۵. علی نے سبق دہرایا۔	علی	سبق	دہرایا

س ۱۰: سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی وضاحت کریں۔

اقتباس: ہم سب آپس میں بھائی بھائی تو ہیں، مگر مثل برادران یوسف کے ہیں۔ آپس میں دوستی، یک دلی اور یک جہتی بہت کم ہے۔ حسد، بغض و عداوت کا ہر جگہ اثر پایا جاتا ہے، جس کا نتیجہ آپس کی نااتفاقی ہے۔ --------- اسی طرح ہم بھی دھوکے میں آجاتے ہیں اور نفاق کو جو ہر حالت میں مردود ہے، ایک مقدس لباس پہناتے ہیں۔ ہم اپنی ناسمجھی سے اس مقدس مذہبی لباس کو خلعت سمجھنے لگتے ہیں۔

جنید محمود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
03444479007

ج: متن کا حوالہ:
یہ اقتباس سرسید احمد خان کے مضمون "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:
پرانے زمانے میں قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا۔ لیکن حضورؐ نے قومیت کے اس نظریے کو مٹا کر کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ایک روحانی رشتہ قوم قائم کیا۔ اس روحانی رشتے کے سامنے تمام قومی رشتے نیست و نابود ہو گئے۔ اسلام کسی سے نہیں پوچھتا

کہ وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا، وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا، بلکہ جس کسی نے کلمۂ توحید کو مستحکم کیا، وہ ایک قوم ہو گیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

تشریح:۔

اس اقتباس میں سرسید مسلمانوں کے موجودہ نفاق کو دیکھ کر نہایت افسوس سے کہہ رہے ہیں کہ اسلام کی رُو سے ہم ظاہری طور پر بھائی بھائی تو ہیں مگر ہماری مثال درحقیقت حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح ہے۔ جس طرح یوسفؑ سے ان کے بھائی حسد کرتے تھے اور ان کے لیئے دل میں کھوٹ رکھتے تھے، اسی طرح ہمارے دلوں میں بھی اپنے مسلمان بھائیوں کے لیئے حسد، دشمنی اور کھوٹ کا مادہ بہت زیادہ ہے اور اسی وجہ سے ہم لوگوں میں نااتفاقی عام ہو چکی ہے۔ جو کہ شیطان کا کام ہے اور شیطان نے روزِ ازل ہی سے خدا سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو سیدھی راہ سے بھٹکاؤں گا۔ اور جس طرح شیطان نے دوستی کی آڑ میں حضرت آدمؑ کو ورغلا کر جنت سے نکلوایا اسی طرح ہم بھی اس کے مکروہ جال میں پھنس کر راہِ راست سے بھٹک کر ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ اور اس کے بناوٹی مقدس اور پاکیزہ دھوکے میں آ کر ایک دوسرے سے بدظن ہو رہے ہیں۔ اور اپنی کم سمجھی اور نادانی کی وجہ سے ہم نفاق کو پاکیزہ مذہبی لباس سمجھ رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نفاق ہماری گمراہی اور قومی تنزلی کا سبب بن رہا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

تعارف "محمد حسین آزاد"

محمد حسین آزاد 1830ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مولوی باقر علی تھا۔ آزاد نے ابتدائی تعلیم دہلی سے حاصل کی اور شاعری میں ابراہیم ذوقؔ سے اصلاح لی۔ 1857ء کے ہنگامے کے بعد آپ لاہور آگئے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی۔ آزاد نے حالیؔ کے ساتھ مل کر جدید مشاعروں کی بنیاد ڈالی۔

آزاد کو اردو ادب میں ایک منفرد انشاپرداز کی حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے پرانی اور نئی نثر کے اسالیب کو ملا کر ایک نئے انداز کی بنیاد رکھی۔ اور آپ کو اپنی شاعرانہ نثر کی وجہ سے بڑی شہرت ملی۔

آزاد الفاظ کے جادوگر ہیں۔ جب وہ کسی خیالی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا قلم موتی اگلتا اور پھول برساتا ہے۔ وہ لمبے لمبے فقرے لکھنے سے گریز کرتے ہیں۔ حکومت نے ان کو ادبی خدمات کے صلے میں "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔

نمایاں تصانیف:

۱. آبِ حیات ۲. دربارِ اکبری ۳. نیرنگِ خیال

۴. قصص ہند ۵. سخن دانِ فارس ۶. نگارستانِ فارس

فرہنگ

سبق: انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا

دود آہ	آہوں کا دھواں		
تُرت پُھرت	چستی	نابکار	نالائق
اپنے تئیں	اپنے آپ کو	جوع البقر	نہ ختم ہونے والی بھوک
لاولد	بے اولاد	مستعد	تیار
انبوہ	ہجوم	ثلث	تیسرا حصہ
جورو	بیوی	بداطواری	بری عادت
پوشاک	لباس	جھولے کا مرض	رعشے کی بیماری
دردِ قولنج	بڑی آنت کا درد	ہوس ہائے نفسانی	نفسانی خواہشات

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

جنید مسعود
لیکچرار اردو، پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

معروضی سوالات

۱۔ محمد حسین آزاد ...... میں پیدا ہوئے
الف: دہلی — ب: کراچی

۲۔ محمد حسین آزاد کے والد کا نام ...... تھا
الف: مولوی شاکر علی — ب: مولوی باقر علی

۳۔ آزاد کو حکومت نے ...... کا خطاب دیا۔
الف: استاد العلماء — ب: شمس العلماء

۴۔ آزاد کو اپنی ...... کی وجہ سے بڑی شہرت ملی۔
الف: شاعرانہ نثر — ب: عمدہ نثر

۵۔ آزاد نے تنقید، تاریخ کے علاوہ ...... موضوعات پر بھی قلم اٹھایا۔
الف: مذہبی — ب: خیالی

۶۔ "انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا" ...... کی تصنیف ہے۔
الف: نذیر احمد — ب: محمد حسین آزاد

۷۔ "انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا" ...... سے ماخوذ ہے
الف: نیرنگِ خیال — ب: دربارِ اکبری

۸۔ ایک پیر مرد ...... سے جاں بہ لب تھا۔
الف: دردِ قولنج — ب: دردِ سر

۹۔ سلطانِ افلاک کے دربار سے ایک ...... جاری ہوا
الف: فرمان — ب: اشتہار

۱۰۔ میں ان دونوں خیالوں کو وسعت دے رہا تھا اور ...... کے تکیئے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ نیند آگئی۔
الف: بے فکری — ب: ریشم

۱۱۔ یہاں تک کہ وہ مصیبتوں کا پہاڑ ...... سے بھی اونچا ہوگیا۔
الف: بادلوں — ب: آسمان

۱۲۔ مجھے یہی حیرت تھی کہ اس پہاڑ میں سب سے زیادہ ۔۔۔۔۔۔ عیوب تھے۔

الف : اخلاقی　　ب : جسمانی

۱۳۔ ایک شخص سوکھا سہما ۔۔۔۔۔۔ کے مارے فقط ہوا کی حالت ہو رہا تھا۔

الف : دبلاپے　　ب : کمزوری

۱۴۔ وہم کی آنکھ ۔۔۔۔۔ تھی مگر نگاہ میں افسردگی تھی۔

الف : عاشقانہ　　ب : وحشیانہ

۱۵۔ جب تمام بنی آدم اپنے ۔۔۔۔۔ کا وبال سر سے اتار چکے۔

الف : بوجھوں　　ب : گناہوں

۱۶۔ جہازی غلام نے جہازی محنت کی تکلیف سے دق ہو کر ۔۔۔۔ کا مرض لیا تھا۔

الف : جھولے　　ب : ہیضے

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

مشق "انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا"

س ۱ : سلطانِ افلاک کے دربار سے کیا اشتہار جاری ہوا؟

ج : سلطانِ افلاک سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مصنف محمد حسین آزاد کے مطابق سلطانِ افلاک کے دربار سے یہ اشتہار جاری ہوا کہ تمام دنیا والے اپنے اپنے رنج والم اور مصائب و تکالیف کو لائیں اور ایک جگہ ڈھیر لگا دیں۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق آنے لگے اور اپنی اپنی مصیبتیں لا کر پھینکنے لگے۔

س ۲ : وہم کی تصویر کس طرح پیش کی گئی ہے؟

ج : مصنف محمد حسین آزاد نے بڑے خوبصورت انداز میں وہم کی تصویر پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ایک دبلا پتلا اور سوکھا سہما سا شخص ہے جو بڑی چالاکی اور پھرتی کے ساتھ لوگوں کی اس بھیڑ میں چل پھر رہا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ ہے اور اُس نے ایک ڈھیلی ڈھالی پوشاک پہن رکھی ہے۔

س ۳ ، پیر مرد کا واقعہ بیان کریں۔

ج: محمد حسین آزاد نے اپنے سبق "انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا" میں ایک بوڑھے آدمی کا واقعہ بیان کیا ہے جو دردِ قولنج کی وجہ سے بے حال تھا اور بے اولادی کی وجہ سے اپنے مال اور جائیداد کا وارث چاہتا تھا۔ اس لیئے اُس نے اپنے درد کو وہاں پھینک کر ایک خوبصورت جوان لڑکا لے لیا۔ لیکن یہ لڑکا اپنے باپ کا نافرمان اور باغی تھا۔ اسی وجہ سے تنگ آکر باپ نے اس لڑکے کو یہاں چھوڑا تھا اس لڑکے نے فوڑا بوڑھے آدمی کی داڑھی پکڑ لی اور سر پھاڑنے کو تیار ہوگیا۔ اتفاقًا بوڑھے آدمی کو قریب ہی لڑکے کا باپ نظر آیا جو اب دردِ قولنج کی وجہ سے تڑپ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر بوڑھے آدمی نے کہا کہ خدا کے لیئے میرا دردِ قولنج مجھے واپس دے دو اور اپنا لڑکا لے لو، کیونکہ میرا یہ درد اِس نافرمان لڑکے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ مگر اب یہ تبادلہ نہیں ہوسکتا تھا۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۴، اس موقع پر کن چیزوں سے بآسانی نجات حاصل کی جا سکتی تھی؟

ج: محمد حسین آزاد نے اپنے سبق "انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا" میں بتایا ہے کہ اس موقع پر درج ذیل چیزوں سے بآسانی نجات حاصل کی جاسکتی تھی۔

۱۔ نفسانی خواہشات ۲۔ جسمانی کمزوری ۳۔ عقلی عیوب ۴۔ بد اطواری

س ۵ ؛ ذیل کے الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کریں

الفاظ	جملے
لطیفہ	امجد نے لطیفہ سنا کر ساری کلاس کو ہنسا دیا۔
رنج والم	رنج والم کی کثرت آدمی کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہے۔
وہم	وہم ایک ناقابلِ علاج مرض ہے۔
افسردگی	باپ کے مرنے کی وجہ سے احمد پر افسردگی طاری تھی۔
انواع واقسام	منڈی میں ہر انواع واقسام کی سبزی دستیاب ہوتی ہے۔

خواہ مخواہ	نادر خواہ مخواہ ہر کسی سے جھگڑ پڑتا ہے۔
مبادلہ	احمد نے مجھے گھڑی دی اور مبادلے میں مجھ سے قلم لیا۔
بسورنا	چھوٹی بچی منہ بسورے رو رہی تھی۔
افلاس	ہمارے ملک میں غربت و افلاس کی شرح بہت زیادہ ہے
دردناک	گناہ گار لوگوں کا انجام بہت دردناک ہوتا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۶ : "وہم پرستی" پر ایک مضمون لکھیں۔

ج : وہم پرستی :۔

وہم ایک ایسی نفسیاتی بیماری ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہم کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا۔ وہم اصل میں ایک خیالی تصور ہے جو انسان کو ایسے وسوسوں کا شکار کر دیتا ہے، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جو شخص بھی وہم کے اس لاعلاج مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی سوچوں اور خیالات میں ترتیب اور یکسوئی نہیں رہتی اور وہ دماغی انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہم پرست انسان بظاہر ہٹا کٹا اور صحت مند نظر آتا ہے لیکن وہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہوتا ہے کیونکہ وہم کی موذی بیماری اسے اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہی ہوتی ہے۔ اکثر وہم پرست انسان تنہائی پسند ہو جاتا ہے اور کسی کام میں اس کا جی نہیں لگتا اور اگر وہ کوئی کام کرتا بھی ہے تو الٹے سیدھے خیالات کی وجہ سے وہ اس کام کو پوری یکسوئی سے نہیں کر پاتا۔ اس لیئے اسے اکثر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ وہم پرستی نے پوری طرح آج کے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے دورِ حاضر کے سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات نے تقریباً ہر شخص کو کسی نہ کسی حد تک وہمی اور ذہنی مریض بنا دیا ہے جس کے نتیجے میں نفسیاتی اور دماغی امراض کی نئی نئی قسمیں ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ اس موذی مرض سے نجات کے لیئے ضروری ہے کہ انسان خود کو مثبت سرگرمیوں میں مصروف رکھے اور ہر حال میں احکامِ الہٰی اور سنتِ نبویؐ کی اتباع میں زندگی گزارے تاکہ اسے وہم جیسا مرض کبھی لاحق ہی نہ ہو۔

س ۷ : ۱. مرکبِ ناقص ۲. مرکبِ تام

مرکب ناقص :-

مرکب ناقص وہ مرکب ہوتا ہے جس سے سننے والے کو پورا مطلب حاصل نہ ہو ، ایسا مرکب ہمیشہ جملے کا حصہ ہوتا ہے۔

مثلاً : میرا قلم ، اچھا گھوڑا ، ٹھنڈا شربت

مرکب تام :-

مرکب تام وہ مرکب ہوتا ہے جس سے سننے والے کو پورا مطلب حاصل ہو ، اسے مرکب مفید بھی کہتے ہیں اور جملہ بھی کہتے ہیں۔

مثلاً : میرا قلم اچھا ہے ، یہ شربت ٹھنڈا ہے۔ وہ اچھا گھوڑا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

پانچ جملے :

۱. میرے پاس ایک عمدہ سواری ہے۔

وضاحت : یہ پورا جملہ مرکب تام ہے اور "عمدہ سواری" مرکب ناقص ہے۔

۲. احمد فٹ بال کا اچھا کھلاڑی ہے۔

وضاحت : یہ پورا جملہ مرکب تام ہے اور "اچھا کھلاڑی" مرکب ناقص ہے۔

۳. یہ علی کا گھر ہے۔

وضاحت : یہ پورا جملہ مرکب تام ہے اور "علی کا گھر" مرکب ناقص ہے۔

۴. آج تیز دھوپ ہے۔

وضاحت : یہ پورا جملہ مرکب تام اور "تیز دھوپ" مرکب ناقص ہے۔

۵. دریا کا پانی بہت ٹھنڈا ہے۔

وضاحت : یہ پورا جملہ مرکب تام ہے اور "دریا کا پانی" مرکب ناقص ہے۔

س ۸: سیاق و سباق کا حوالہ دے کر اقتباس کی وضاحت کریں

اقتباس: ایک پیر مرد کہ نہایت معزز و محترم معلوم ہوتا تھا، دردِ قولنج سے جاں بہ لب تھا اور لاولدی کے سبب سے اپنے مال و املاک کے لیئے ------ ------ برائے خدا میرا دردِ قولنج مجھے پھیر دیجیئے اور لڑکا لے لیجیئے کہ میرا پہلا عذاب اس سے ہزار درجہ بہتر ہے، مگر مشکل یہ ہوئی کہ یہ مبادلہ اب پھر نہ ہو سکتا تھا۔

جنید محمود
لیکچرار اردو، پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ج: متن کا حوالہ:

یہ اقتباس سبق "انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا" سے لیا گیا ہے، جس کے مصنف کا نام محمد حسین آزاد ہے۔

سیاق و سباق:

جب سلطانِ افلاک کے دربار سے اشتہار جاری ہوا کہ تمام لوگ اپنی اپنی مصیبتیں اور تکالیف لا کر ایک جگہ ڈھیر لگا دیں تو سب لوگوں نے اپنا اپنا بوجھ سروں سے اتار کر پھینکنا شروع کر دیا یہاں تک کہ مصیبتوں کا وہ پہاڑ بادلوں سے بھی اونچا ہو گیا۔ اس کے بعد پھر حکم ہوا کہ سب لوگ اپنے رنج و الم تبدیل کر کے گھروں کو لوٹ جائیں یہ حکم سنتے ہی ہر شخص اپنا اپنا بوجھ سنبھالنے لگا۔ اس دوران اتنی دھکم دھکا ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔

تشریح:

اس اقتباس میں مصنف محمد حسین آزاد ایک بوڑھے شخص کا ذکر کر رہے ہیں کہ یہ بوڑھا شخص جو دیکھنے میں نہایت باعزت اور قابلِ احترام معلوم ہوتا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ بڑی آنت کے درد میں مبتلا تھا۔ اس کے پاس روپیہ پیسہ اور جائداد بہت تھی لیکن کوئی بیٹا نہ تھا جو اس جائداد کا وارث بنتا۔ چنانچہ اُس نے اپنے اِس دردِ قولنج کو وہاں پھینک کر ایک خوبصورت نوجوان لڑکے کو لے لیا۔ وہ لڑکا نہایت

بے ادب اور گستاخ تھا اور اسی وجہ سے تنگ آکر اس کے باپ نے اسے وہاں چھوڑا تھا۔ چنانچہ اس گستاخ لڑکے نے فوراً بوڑھے کو داڑھی سے پکڑا اور اس کا سر پھاڑنے کو تیار ہوگیا۔ اتفاق سے اس لڑکے کا حقیقی باپ دکھائی دیا جو دردِ قولنج سے تڑپ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بوڑھے شخص نے اسے خدا کا واسطہ دیکر کہا کہ میرا دردِ قولنج واپس دیدو اور اپنا لڑکا لے لو کہ میرا یہ درد اس نافرمان لڑکے سے ہزار درجے بہتر ہے۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ اب یہ تبدیلی دوبارہ نہیں ہوسکتی تھی۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو، پاکستان سائنس کالج
0314 4470007

مرتب: جنید مسعود

نہم، دہم اور فرسٹ ائیر، سیکنڈ ائیر کے
بھی "جواہرِ اردو" نوٹس دستیاب ہیں۔ رابطہ نمبر 0314 4470007

Shahid Iqbal
0333-5049196
جناح بکس

حمد

الطاف حسین حالی

نوٹ: شاعر پر تعارفی نوٹ حصہ نثر سبق نمبر ۲ میں ملاحظہ کریں۔

فرہنگ

محرم	دوست، رازدان	دم بھرنا	تعریف کرنا
گو	اگرچہ	خیرہ و سرکش	نافرمان، باغی
سوا	زیادہ	سرشار	ڈوبا ہوا
کملی	موٹی چادر	آفاق	دنیا، جہاں
مہک	خوشبو	عصیاں	گناہ
نامحرم	پرایا	بے خود	مست، مگن
مقدم	اہم	جچنا	اچھا لگنا
صبا	صبح کی ہوا	خلعتِ سلطانی	بادشاہ کا دیا ہوا
بن	بغیر	"	انعامی لباس

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

معروضی سوالات

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

۱۔ نظم حمد کے شاعر ------ ہیں

الف: الطاف حسین حالی　　ب: حفیظ جالندھری

۲۔ جو نظم اللہ تعالیٰ کی تعریف میں لکھی جائے، اسے ----- کہتے ہیں۔

الف: نعت　　ب: حمد

۳۔ جو نظم رسولؐ پاک کی تعریف میں لکھی جائے، وہ ------ کہلاتی ہے۔

الف: نعت　　ب: حدیث

۴۔ جس نظم میں اولیاءاللہ اور بزرگانِ دین کی تعریف ہو ----- کہلاتی ہے۔

الف: منقبت　　ب: کرامت

۵. جس نظم میں بندہ خدا سے التجا کرکے دین دنیا کی بھلائی مانگتا ہے وہ ...... کہلاتی ہے۔

الف: اطاعت ب: مناجات

۶. جو نظم کسی بادشاہ یا دولت مند آدمی کی تعریف میں لکھی جائے ...... کہلاتی ہے۔

الف: قصیدہ ب: خط

۷. جس نظم میں کسی کی موت پر غم کا اظہار کیا جائے، اُسے ...... کہتے ہیں۔

الف: تعزیت ب: مرثیہ

۸. وہ طویل نظم جس میں کوئی قصہ کہانی، جنگ کے حالات یا فلسفے کی کوئی لمبی چوڑی بات بیان کی جائے ...... کہلاتی ہے۔ الف: مثنوی ب: داستان

۹. گو سب سے ...... ہے حق تیرا ادا کرنا

الف: مقدم ب: موخر

۱۰. آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ ...... تیری

الف: خوشبو ب: مہک

۱۱. نشے میں وہ ...... کے سرشار ہیں اور بے خود

الف: احساں ب: شراب

۱۲. کچھ رنگِ بیاں ...... ہے سب سے جدا تیرا

الف: غالبؔ ب: حالیؔ

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

مشق

س ۱: اس حمد کا مطلع اور مقطع لکھیں۔

ج: نظم یا غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں اور نظم یا غزل کا وہ آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے، مقطع کہلاتا ہے۔

حمد کا مطلع:

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

حمد کا مقطع:

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے
کچھ رنگِ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

س ۲: اس حمد کے قافیے اور ردیف تلاش کر کے لکھیں۔

ج: قافیہ: وہ ہم آواز الفاظ جو ردیف سے پہلے آتے ہیں۔

ردیف: وہ الفاظ جو کسی شعر کے آخر میں بار بار آئیں۔

حمد کے قافیے:-

سوا، سرا، ادا، کھلا، گدا، سدا، گِلا، صبا، جدا

حمد کی ردیف: "تیرا"

س ۳: مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
نافرمان	فرمانبردار	اقرار	انکار	شکر	ناشکری
نامحرم	محرم	گدا	شاہ		

س ۴: تشبیہ کی تعریف کریں اور تین مثالیں بھی دیں۔

ج: تشبیہ: کسی ایک چیز کو کسی خاص خوبی یا خامی کی وجہ سے دوسری چیز کی طرح قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

مثال ۱: علی شیر کی طرح بہادر ہے۔

مثال ۲: یہ آم شہد کی طرح میٹھا ہے۔

مثال ۳: پانی برف کی مانند ٹھنڈا ہے۔

اشعار کی تشریح

شعر ۱: قبضہ ہو دلوں پر کیا اس سے سوا تیرا
اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

تشریح:-

شاعر الطاف حسین حالی اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے پروردگار! ساری مخلوقات اور سب انسانوں کے دل تیرے ہی قبضے اور اختیار میں ہیں۔ دنیا کی ہر چیز تیری حمد و ثنا بیان کر رہی ہے۔ نافرمان سے نافرمان بندہ بھی تیری ہی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے اور گناہ کرنے کے باوجود تیری عظمت کا احساس اُس کے دل میں بیدار رہتا ہے۔ اسی وجہ سے آج مجھ جیسا نافرمان اور گناہ گار بندہ بھی تیری تعریف بیان کر رہا ہے۔ بقولِ شاعر

در پہ تیرے سر جس کا جھکا ہے — عاصی ہی سہی بندہ تو تیرا ہے

شعر ۲: گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
بندے سے مگر ہو گا حق کیوں کر ادا تیرا

تشریح:-

اس شعر میں الطاف حسین حالی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک بندے پر اُس کے خالق کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ بندہ اُس کی عبادت اور بندگی کا حق ادا کردے لیکن انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن انعامات کو شمار کرنا بھی ممکن نہیں ہے تو اُن کا حق کیسے ادا ہو گا؛ بندہ اگر تمام عمر سجدے میں پڑا رہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ بقولِ شاعر:

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

شعر ۳:

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم
کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا

تشریح:

اس شعر میں الطاف حسین حالی خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے اللہ! تیری حقیقت کو جاننے والا اور نہ جاننے والا دونوں ہی برابر ہیں۔ اس جہان میں جو لوگ تیری عظمت کی سمجھ رکھتے ہیں اور جو لوگ سمجھ نہیں رکھتے، دونوں کی مثال ایک جیسی ہے۔ کیونکہ جب ان پر تیری بڑائی کے راز کھلنے لگتے ہیں تو وہ سخت حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ تیری ذات کے رعب کی وجہ سے کچھ کہہ ہی نہیں پاتے، اور تیری ذات کی پہچان نہ رکھنے والے لوگ بھی اس کائنات میں پھیلے ہوئے تیرے کمالات دیکھ کر حیرت میں گم ہو جاتے ہیں۔

شعر ۴:

جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

تشریح:

الطاف حسین حالی اس شعر میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ! جو آدمی تیرے در کا بھکاری بن جاتا ہے، وہ اپنی معمولی سی چادر میں لپٹ کر تیرے عشق کے نشے میں مست اور بے خود رہتا ہے۔ اس کے دل میں صرف تیری ہی محبت ہوتی ہے اور وہ دنیاوی جاہ و جلال سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شاہی درباروں میں بادشاہ اپنے دوستوں کو جو قیمتی شاہی لباس عطا کرتے ہیں، اُسے اِن شاہی لباسوں سے بھی کوئی رغبت نہیں ہوتی۔ وہ اس فقیری کو ہی بادشاہی تصور کرتا ہے۔

شعر ۵ :

عظمت تیری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

تشریح :-

شاعر الطاف حسین حالی کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! تیری عظمت اور بڑائی کو مانے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ نیک لوگ تو تیری بڑائی کو دل سے تسلیم کرتے ہی ہیں لیکن وہ لوگ جو سرکش اور نافرمان ہیں، انہوں نے بھی دنیا والوں کی نظروں سے چھپ کر تیری بزرگی کا اعتراف ضرور کیا ہے۔ جس کی زندہ مثال فرعون جیسا ظالم بادشاہ ہے، جو لوگوں میں خود کو رب کہتا تھا مگر تنہائی میں رو رو کر تیری ہی تعریف بیان کرتا تھا اور تیری ہی بڑائی کا اعتراف کرکے تجھی سے مدد مانگتا تھا۔ بقول شاعر

یا رب تیرے کرم کا کوئی نہیں کنارا　　عاصیوں کو بھی تیرا ہی ہے سہارا

شعر ۶ :

تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط ان کو
جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گِلا تیرا

تشریح :

شاعر الطاف حسین حالی اس شعر میں ایک بہت بڑی حقیقت واضح کر رہے ہیں کہ اے اللہ! وہ لوگ جو اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کے وقت تجھ سے گلے شکوے کرتے ہیں، انہیں بھی صرف تیری ہی ذات پوری کائنات پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور وہ تجھ سے اس لیئے شکوہ شکایت نہیں کرتے کہ وہ تیرے نافرمان اور باغی بندے ہوتے ہیں بلکہ ان کے شکوے کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ تجھے ہر ایک چیز پر غالب سمجھتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس طرح فریاد کرنے سے تو ان کے بگڑے ہوئے حالات کو بہتر کر دے گا۔ اور ان کی ساری مصیبتوں کو ختم کر دے گا۔

شعر ۷: نشے میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بے خود
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا

تشریح:۔ اس شعر میں الطاف حسین حالی فرماتے ہیں کہ وہ غافل لوگ جو تیری دی ہوئی نعمتوں پر تیرا شکر ادا نہیں کرتے، وہ ایسا اس لیئے کرتے ہیں کہ تیرے احسانات اور مہربانیوں کے نشے میں مست ہو کر وہ اپنے آپ میں نہیں رہتے۔ اور جس طرح بچہ بہت زیادہ لاڈ پیار سے بگڑ جاتا ہے، اسی طرح جن لوگوں پر خدا کی مہربانیاں زیادہ ہوتی ہیں، وہ بھی بگڑ جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ خدا کی یہ ساری مہربانیاں ہمارا حق ہے لہذا ہمیں شکر ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بقول شاعر

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

میں اکثر سوچتا ہوں میرا رب مہربان کتنا ہے
خطائیں دیکھ کر بھی عطائیں کم نہیں کرتا

شعر ۸: طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے ہے گو بڑھ کر
عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار سوا تیرا

تشریح:۔ اس شعر میں الطاف حسین حالی ایک باریک نکتہ بیان کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں معلوم ہے کہ تیری اطاعت اور فرمانبرداری میں ہی ہر انسان کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ مگر گناہ میں اطاعت سے بھی بڑھ کر تیری بندگی کا اعتراف موجود ہے۔ کیونکہ جب کوئی گناہ گار انسان توبہ کی طرف مائل ہوتا ہے اور شرمندہ ہو کر تجھ سے معافی طلب کرتا ہے تو تُو اس کی توبہ پر بہت خوش ہوتا ہے اور اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ گویا انسان کا بخشش کے لیئے اپنے رب کو پکارنا، فرمانبرداری کی بہ نسبت بہت زیادہ اللہ کی عظمت کا اقرار ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

شعر ۹ :

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

تشریح :

شاعر الطاف حسین حالی اپنے رب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے اللہ! تیرے نام کی خوشبو ساری کائنات میں ہمیشہ پھیلتی رہے گی اور یہ ساری کائنات ہمیشہ اس خوشبو سے مہکتی رہے گی۔ کیونکہ صبح کے وقت چلنے والی ہوا کے جھونکے تیری عظمت کا پیغام مشرق سے مغرب تک ہر گھر میں پہنچاتے رہیں گے جسکی وجہ سے دنیا کا چپہ چپہ تیرا نام لیوا بن جائے گا اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب دنیا میں بسنے والا ہر انسان تیری وحدانیت کی گواہی دے گا۔

حمد کا خلاصہ

حمد میں الطاف حسین حالی خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خدا سب انسانوں کے دلوں پر تیری ہی حکومت ہے، چنانچہ میرے جیسا نافرمان بندہ بھی تیری تعریف کر رہا ہے۔ ہر بندے پر تیرا یہ حق ہے کہ وہ تیری عبادت کا حق ادا کرے مگر تیری نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ تیرا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اے خدا تیری عظمت کے رازوں کو جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں ہی برابر ہیں کیونکہ جو شخص تیری عظمت کے راز جان لیتا ہے، اُس میں پھر کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔ اور جو تیرے در کا فقیر بن جاتا ہے پھر شاہی لباس بھی اُسے اچھا نہیں لگتا۔ اے خدا تیری عظمت مانے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اسی لیئے تجھ سے گلے شکوے کرنے والوں کو بھی ساری کائنات پر تُو ہی چھایا ہوا نظر آتا ہے اور وہ لوگ جو تیری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، اصل میں وہ تیری مہربانیوں کے نشے میں چُور ہو چکے ہیں۔ اے اللہ! تیرے نام کی خوشبو ساری کائنات میں پھیل کر رہے گی کیونکہ صبح کی ہوا تیرا پیغام ہر گھر میں پہنچا رہی ہے۔ آخر میں شاعر کہتا ہے کہ میرا اندازِ بیاں سب سے عجیب اور دل پر اثر کرنے والا ہے۔

تعارف : امیر مینائی

امیر مینائی 1828ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولوی کرم احمد تھا۔ حضرت مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مینائی کہلائے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور علمائے فرنگی محل سے علم کی تکمیل کی۔

آپ کی طبیعت بچپن ہی سے شاعری کی طرف مائل تھی، چنانچہ آپ نے مشہور شاعر مظفر علی اسیر کی شاگردی اختیار کی اور شاعری میں نام پیدا کیا۔ آپ نے دو کتابیں ارشاد السلاطین اور ہدایت السلاطین لکھیں اور والیٔ اودھ سے انعام حاصل کیا۔ 1859ء میں امیر مینائی رام پور چلے گئے اور والیٔ رام پور نواب کلب علی خان کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ بہت قادر الکلام شاعر تھے اور نعت گوئی میں آپ کو خاص مقام حاصل تھا۔ سلاست اور روانی آپ کے کلام کی نمایاں خوبی ہے۔ امیر مینائی نے ۱۹۰۰ء میں حیدر آباد دکن میں وفات پائی۔

نمایاں تصانیف :

۱۔ ارشاد السلاطین ۲۔ ہدایت السلاطین

۳۔ صنم خانۂ عشق ۴۔ مرآۃ الغیب

نعت

فرہنگ

سوئے	طرف
لشکرِ اندوہ	غموں کے لشکر
طائر	پرندہ
راہ راست	سیدھی راہ
نخل	درخت
زائر	زیارت کرنے والا
برگ	پتا
رسائی	پہنچ
حُب	محبت
رسا	تیز

معروضی سوالات

۱۔ امیر مینائی .... میں پیدا ہوئے۔ الف؛ دہلی ب؛ لکھنؤ

۲۔ امیر مینائی کے والد کا نام .... تھا۔ الف؛ مولوی کرم احمد ب؛ مولوی احمد

۳۔ آپ نے مشہور شاعر ...... کی شاگردی اختیار کی۔ الف؛ مظفر علی اسیر ب؛ میر تقی میر

۴۔ امیر مینائی کے ..... دیوان ہیں۔ الف؛ تین ب؛ دو

۵۔ امیر مینائی نے نعت گوئی کو ...... سے روشناس کرایا۔ الف؛ شاعرانہ محاسن ب؛ جدت

۶۔ سوئے طیبہ بن کے ہم ...... چلے۔ الف؛ طائر ب؛ زائر

۷۔ نخل دل میں تھے ...... کے جو برگ الف؛ گناہوں ب؛ حسرتوں

۸۔ حُبِ حضرت کی ..... سے گر چلے الف؛ صدا ب؛ ہوا

۹۔ جس نظم کے ہر بند میں تین مصرعے ہوں ...... کہلاتی ہے۔

الف؛ مسدس ب؛ مثلث

۱۰۔ جس نظم کے ہر بند میں چار مصرعے ہوں ...... کہلاتی ہے۔

الف؛ مربع ب؛ رباعی

۱۱۔ جس نظم کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں ...... کہلاتی ہے۔

الف؛ مخمس ب؛ خمس

۱۲۔ جس نظم کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں ..... کہلاتی ہے۔

الف؛ مُسدس ب؛ مسدس

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

"مشق"

س ۱؛ اس نعت کے پہلے شعر میں طیبہ سے کون سا شہر مراد ہے؟

ج؛ نعت کے پہلے شعر میں طیبہ سے مراد "مدینہ منورہ" ہے۔

س ۲، پھر، گھر، گر جیسے ہم آواز الفاظ کو کیا کہتے ہیں؟

ج: پھر گھر، گر جیسے ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔

س ۳: درج ذیل مرکبات کی تشریح کریں۔

ج: ۱۔ لشکرِ اندوہ :۔

اس کا معنی ہے "غموں کی کثرت"۔ چونکہ لشکر میں کافی تعداد میں آدمی ہوتے ہیں۔ اس لیئے جب کسی کو زیادہ تعداد میں غم لاحق ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ شخص لشکرِ اندوہ میں گھِرا ہوا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

۲۔ نخلِ دل :۔

اس کا معنی ہے "دل کا درخت"۔ جس طرح درخت پر بے شمار پتے ہوتے ہیں، اسی طرح دل میں بھی بہت سے خیالات آتے رہتے ہیں۔ اور جس طرح درخت خزاں میں مُرجھا جاتا ہے، اسی طرح دل بھی گناہوں کی وجہ سے مُرجھا جاتا ہے۔

۳۔ حُبِ حضرت :۔

اس کا معنی ہے "حضورؐ کی محبت" اور حضورؐ سے محبت ہر سچے مسلمان کے ایمان کا ایک جزو ہوتی ہے۔

۴۔ راہِ راست :۔

اس کا معنی ہے "سیدھا راستہ"۔ اور شاعر کی اس سے مراد دینِ اسلام ہے، جس پر چل کر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔

۵۔ شوقِ دل :۔

اس کا معنی ہے "دل کا شوق" اور شاعر کے دل میں بار بار حضورؐ کے شہر مدینہ منورہ جانے کا شوق ہے

س ۴۔ "دن پھر جانا" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

ج: دن پھر جانا سے شاعر کی مراد قسمت بدل جانا ہے۔

س ۵: اس نعت کا مقطع لکھیں۔

ج: مقطع :

راہِ حضرت میں، میں اڑتا ہوں امیر
اُڑ کے کیا مجھ سے کوئی طائر چلے

استعارہ:

جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اصلی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ جیسے "راہ راست" کا لفظی معنی ہے سیدھا راستہ لیکن مجازی معنی ہے "دین اسلام" جس طرح سیدھے راستے پر چل کر انسان اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے، اسی طرح دین اسلام پر عمل کرکے اسے دنیا آخرت میں کامیابی مل جاتی ہے۔

س: استعارہ کی تین مثالیں لکھیں۔

ج: مثال 1: محمود غزنوی کے بارے میں یہ کہنا کہ "اس شیر نے ہندوستان پر سترہ حملے کیئے"۔ ظاہر ہے کہ محمود غزنوی شیر نہیں تھا بلکہ انسان تھا۔ لیکن اس کی بہادری شیروں جیسی تھی، اس لیئے اُسے شیر کہا گیا ہے۔

مثال ۲: کسی بڑے عالم کی موت پر کہا جاتا ہے کہ "ایک چراغ اور بجھ گیا"۔ ظاہر ہے کہ عالم چراغ تو نہیں ہوتا لیکن چراغ کی طرح علم کی روشنی پھیلاتا ہے، اس لیئے اُسے چراغ کہا جاتا ہے۔

مثال ۳: ماں اکثر اپنے بیٹے کو محبت سے "میرا چاند" کہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بیٹا چاند تو نہیں ہوتا مگر چاند کی طرح خوبصورت ہوتا ہے۔ اسی لیئے ماں اپنے بیٹے کو چاند کہتی ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

اشعار کی تشریح

شعر ۱: سوئے طیبہ بن کے ہم زائر چلے ،، شکر کی جا ہے دن اپنے پھر چلے

تشریح:

شاعر امیر مینائی حضورؐ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیئے مدینہ منورہ کے سفر پر جانے والے ہیں اور وہ اس بات پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت چمکا دی اور اس مبارک سفر کی توفیق عطا فرما دی۔ ایسے بابرکت اور باسعادت سفر کی توفیق

مل جانے پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک عاشقِ رسولؐ کے لیئے اس سے زیادہ سعادت اور خوش نصیبی کی بات اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے اپنے محبوبؐ کے در پر حاضر ہونے کی توفیق مل جائے تاکہ وہ وہاں اپنا حالِ دل عرض کر سکے۔

شعر ۲: یارسول اللہ! جلدی آئیے ،، لشکرِ اندوہ میں ہم گھر چلے

تشریح :-

شاعر امیر مینائی اس شعر میں نبیؐ پاک سے براہ راست مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسولؐ ہمیں پریشانیوں اور غموں کے لشکر نے گھیر رکھا ہے، ہم عاجز و ناتواں بندوں پر ہر طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور ساری امتِ مسلمہ پر مصائب کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں۔ اس لیئے اے نبیؐ آپ ربِ کریم سے ہمارے لیئے دعا کریں کہ جن غموں کے انبار نے ہمیں گھیر رکھا ہے، ان غموں اور تکالیف سے ہمیں نجات مل جائے اور ہماری سب پریشانیاں خوشی میں بدل جائیں۔

شعر ۳: نخلِ دل میں تھے گناہوں کے جو برگ ،، حُبِ حضرت کی ہوا سے گر چلے

تشریح :-

شاعر امیر مینائی کہتے ہیں کہ میرے دل کا درخت گناہوں کے پتوں سے بھرا ہوا تھا، یعنی میں سر سے پاؤں تک گناہ کی تصویر بنا یہاں حاضر ہوا تھا لیکن حضورؐ کی محبت اور عقیدت میرے کام آگئی اور میرے سارے گناہ ایسے جھڑ گئے جیسے خزاں کے موسم میں درختوں سے پتے جھڑ جاتے ہیں اور درخت پتوں سے بالکل صاف ہو جاتے ہیں اسی طرح میرا دل بھی گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو گیا۔ اس مبارک شہر میں آنے کی وجہ سے خدا نے میرے گناہوں کو دھو ڈالا اور دل کے زنگ کو ختم کر دیا۔

شعر ۴ : کیا میسر ان کو ہوتی راہ راست ،، چال پر کب آپ کی کافر چلے

تشریح :-

اس شعر میں امیر مینائی بتا رہے ہیں کہ انسان کی نجات حضورؐ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ میں ہے کہ انسان غلط طریقوں اور غلط راستوں کو چھوڑ کر حضورؐ کی اتباع کرتے ہوئے سیدھا راستہ اختیار کرے۔ لیکن آپؐ کی پیروی سے انکار کرنے والے کافر کبھی بھی سیدھی راہ کے راہی نہیں بن سکتے کیونکہ انہوں نے اپنی ذاتی خواہشات اور مفادات کی خاطر حضورؐ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو ٹھکرا دیا ہے۔ اگر وہ ایمان لے آتے اور حضورؐ کی سنت کی پیروی کرتے تو دنیا آخرت میں کامیاب ہو جاتے لیکن افسوس کہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیئے ناکام ہو گئے ہیں۔

شعر ۵ : پھر رسائی کی رسا تقدیر نے ،، پھر مدینے ہو کے ہم زائر چلے

تشریح :-

شاعر امیر مینائی اس شعر میں اپنی خوش قسمتی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر میری قسمت چمکا دی اور میری تقدیر بدل دی کہ ایک دفعہ پھر مجھے نبیؐ پاک کے مبارک شہر مدینہ منورہ آنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جہاں میں دوبارہ مسجد نبویؐ میں جاؤں گا اور گنبد خضریٰ پر حاضری دے کر حضورؐ کی خدمت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کر سکوں گا۔ لہذا میں واقعی بہت خوش قسمت ہوں کہ رب تعالیٰ نے ایک بار پھر مجھے روضہ رسولؐ پر حاضری دے کر روحانی فیض پانے کا سنہری موقع عطا فرمایا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

شعر ۶: شوقِ دل نے کی دوبارہ رہبری ۔۔ آگے بھی ہو آئے تھے اب پھر چلے

تشریح:

امیر مینائی اس شعر میں فرما رہے ہیں کہ روضۂ رسول ؐ پر بار بار حاضری صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو سچے عاشقِ رسول ؐ ہوتے ہیں اور جن کے دل میں حاضری کی تڑپ اور تمنا ہر وقت موجود ہوتی ہے اور یہی تڑپ اور تمنا بار بار حاضری کا سبب بن جاتی ہے۔ تو شاعر اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بھی حضورؐ کا ایک ایسا ہی عاشق ہوں کہ میں ایک مرتبہ روضۂ رسول ؐ پر حاضری دے چکا ہوں لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اب دوبارہ جا رہا ہوں کیونکہ وہاں میرے بے قرار دل کو قرار ملتا ہے۔

بقولِ شاعر: فدا تجھ پہ اے خاکِ شہرِ مدینہ نبی کا شہر بنا تو شہرِ مدینہ

شعر ۷: راہِ حضرت میں، میں اڑتا ہوں امیرؔ ۔۔ اُڑ کے کیا مجھ سے کوئی طائر چلے

تشریح:

شاعر امیر مینائی اپنی نعت کے مقطع یعنی آخری شعر میں اپنی بے تابی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے مبارک شہر مدینہ کی طرف میں اس قدر تیزی سے رواں دواں ہوں کہ یوں معلوم ہوتا ہے گویا میں چل کر نہیں بلکہ اُڑ کر جا رہا ہوں اور میری رفتار اتنی تیز ہے کہ کوئی پرندہ بھی اتنی تیزی سے نہیں اُڑ سکتا۔ اصل میں شاعر وہاں جلد از جلد پہنچنا چاہتا ہے تاکہ روضۂ رسول ؐ کی زیارت کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور اپنے بے چین دل کو قرار پہنچا سکے۔ **بقولِ شاعر**

نہ کلیم کا تصور، نہ خیالِ طورِ سینا میری آرزو محمدؐ، میری جستجو مدینہ

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
جنید مسعود

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

نعت کا خلاصہ

نعت کے شاعر امیر مینائی رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دلی تمنا پوری فرمائی ہے کہ میں مدینہ منورہ کی طرف سفر کر رہا ہوں۔ وہاں روضہ رسول ﷺ کا دیدار کر کے میری قسمت بدل جائے گی۔ مزید فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جلدی تشریف لا کر ہمیں پریشانیوں اور غموں سے نجات عطا فرمائیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ میرے دل کے درخت پر لگے ہوئے گناہ کے پتے آپ ﷺ کی محبت کی ہوا سے جھڑنے لگے ہیں۔ کافر کتنے بدنصیب ہیں کہ آپ ﷺ کی پیروی نہ کر کے وہ سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ دل کی تڑپ اور شوق کی وجہ سے مجھے بار بار روضہ رسول ﷺ کی حاضری نصیب ہو رہی ہے۔ اور میں اس سفر میں بڑی تیزی سے اڑتا ہوا جا رہا ہوں کہ کوئی پرندہ بھی میری تیز رفتاری کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

تعارف : مولوی نذیر احمد

مولوی نذیر احمد 1836ء کو بجنور کے ایک گاؤں رہیڑ میں پیدا ہوئے۔ والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی میں مولوی عبدالخالق کے مدرسے میں عربی سیکھی اور دہلی کالج سے مزید تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد عملی زندگی کا آغاز بطورِ مدرس کیا۔ آپ کو انگریزی حکومت کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب بھی ملا۔

نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ نے کہانیوں کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی اور عورتوں کے مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

اردو ادب میں نذیر احمد کا مقام بہت بلند ہے، آپ نے ادب کو حقیقی زندگی کا ترجمان بنایا۔ آپ کی زبان دہلی کی ٹکسالی زبان ہے اور آپ کو عورتوں کی زبان لکھنے پر پوری قدرت حاصل ہے۔ نذیر احمد کے کردار اسی معاشرے کے کردار ہیں، جس میں وہ اپنے شب و روز گزارتے ہیں۔ حقیقت پسندی ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ہے۔

نمایاں تصانیف:

۱. مراۃ العروس ۲. بنات النعش ۳. توبۃ النصوح

۴. ابن الوقت ۵. رویائے صادقہ ۶. ترجمہ قرآن پاک

فرہنگ

سبق: نصوح کا خواب

وبا	متعدی مرض	ماخوذ	اخذ کیا گیا
وافر	زیادہ	مصمم ارادہ	پکا ارادہ
سعی	کوشش	روزنامچہ	کیلنڈر
سکوت	خاموشی	دروغ گوئی	جھوٹ بولنا
منحرف	پھر جانا	دارالجزا	سزا یا انعام کی جگہ
دل جوئی	تسلی دینا	فرداً فرداً	الگ الگ
خفیف	ہلکی	کاربراری	کام نکالنا

"معروضی سوالات"

۱۔ نذیر احمد ضلع ۔۔۔۔۔ کے گاؤں ریہڑ میں پیدا ہوئے۔ الفؔ: بجنور ب: بنارس

۲۔ نذیر احمد کو انگریزی حکومت نے ۔۔۔۔۔ کا خطاب دیا۔ الف: سر بؔ: شمس العلماء

۳۔ نذیر احمد کو اردو کا پہلا ۔۔۔۔۔ تسلیم کیا جاتا ہے۔ الفؔ: ناول نگار ب: شاعر

۴۔ نذیر احمد نے ۔۔۔۔۔ کے مسائل کو ناولوں کا موضوع بنایا۔ الف: مردوں بؔ: عورتوں

۵۔ نصوح خود بھی کبھی ڈپٹی مجسٹریٹ اور ۔۔۔۔۔ رہ چکا تھا۔ الفؔ: حاکم فوج داری ب: جج

۶۔ نصوح دہلی کا ایک ۔۔۔۔۔ شخص تھا۔ الف: غریب بؔ: مالدار

۷۔ جو حکم ہے دودھ کا دودھ ۔۔۔۔۔ الفؔ: پانی کا پانی ب: پانی

۸۔ ایک رات نصوح کو بھی ۔۔۔۔۔ ہو گیا۔ الفؔ: ہیضہ ب: بخار

۹۔ دوڑ کر قدموں پر ۔۔۔۔۔ الف: جا گرا بؔ: گر پڑا

۱۰۔ باپ کا نامہ اعمال دیکھا تو ۔۔۔۔۔ الفؔ: تھرا اٹھا ب: کانپ اٹھا

۱۱۔ ابھی میرے ہمسائے میں ایک شخص کی ۔۔۔۔۔ ہوئی ہے۔ الفؔ: رہائی ب: فوتگی

۱۲۔ دنیا کی ۔۔۔۔۔ باتیں مجھ کو نماز میں یاد آتی تھیں۔ الف: فضول بؔ: بھولی بسری

۱۳۔ میاں کی آنکھ کھلی تو اس کی ۔۔۔۔۔ میں جان آئی۔ الفؔ: جان ب: رُوح

۱۴۔ تُو نے اپنے خاندان میں ۔۔۔۔۔ کا بیج بویا۔ الف: برائی بؔ: نیکی

۱۵۔ جب سے دنیا کو چھوڑا ہے قبر کی ۔۔۔۔۔ میں ہوں۔ الف: تاریکی بؔ: حوالات

۱۶۔ دیکھو یہ میرا اعمال نامہ کیسی ۔۔۔۔۔ سے بھرا ہوا ہے۔ الفؔ: رسوائی ب: بدنامی

۱۷۔ اول دو ۔۔۔۔۔ ایسے ہیں کہ میرا کوئی فعل ان سے مخفی نہیں۔ الف: فرشتے بؔ: کراماً کاتبین

۱۸۔ یہ مقام جو تم دیکھتے ہو ۔۔۔۔۔ ہے۔ الفؔ: دار الجزا ب: جنت

۱۹۔ سبق "نصوح کا خواب" ۔۔۔۔۔ کی تصنیف ہے۔ الفؔ: نذیر احمد ب: سر سید

۲۰۔ سبق "نصوح کا خواب" ۔۔۔۔۔ سے ماخوذ ہے۔ الف: مراۃ العروس بؔ: توبۃ النصوح

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

مشق

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۱: متن کے حوالے سے خالی جگہ پُر کریں۔
ج : "معروضی سوالات" ملاحظہ کریں۔

س ۲: نصوح نے خواب میں جس عدالت کو دیکھا، اس کی کیفیت اپنے الفاظ میں لکھیں۔
ج : نذیر احمد نے اپنے سبق "نصوح کا خواب" میں بتایا ہے کہ نصوح نے خواب میں ہائی کورٹ کی کچہری کی طرح ایک عمدہ اور عالی شان عمارت دیکھی۔ جہاں لاکھوں افراد جمع تھے مگر حاکمِ کچہری کے رعب کی وجہ سے سب خاموش بیٹھے تھے۔ یہاں رشوت اور سفارش سے کام نہیں نکلوایا جاسکتا تھا۔ اور حق وانصاف کے ساتھ مقررہ تاریخ پر فیصلہ سنا دیا جاتا تھا۔

س ۳: نصوح نے خواب میں اپنے والد کو کہاں دیکھا؟
ج : نذیر احمد نے اپنے سبق "نصوح کا خواب" میں بتایا ہے کہ نصوح نے خواب میں اپنے والد کو حوالاتیوں میں بیٹھا دیکھا، جہاں وہ اپنے گناہوں کی جواب دہی میں ماخوذ تھے۔ اور سخت پریشان اور خوف زدہ بیٹھے تھے

س ۴: باپ نے اپنے اعمال نامے کے بارے میں بیٹے سے کیا کہا؟
ج : نذیر احمد نے اپنے سبق "نصوح کا خواب" میں بتایا ہے کہ باپ نے اپنے اعمال نامے کے بارے میں بیٹے سے کہا کہ دیکھو میرا اعمال نامہ کیسی رسوائی سے بھرا ہوا ہے، میں اس کو دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ خدا کو کیا جواب دوں گا اور اپنی برأت کی کیا وجہ پیش کروں گا۔ کیونکہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے مجھے اپنی نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔

س ۵: اعمال نامے میں کون کون سے گناہ درج تھے؟
ج: نذیر احمد نے اپنے سبق "نصوح کا خواب" میں بتایا ہے کہ نصوح کے باپ کے اعمال نامے میں یہ گناہ درج تھے۔
شرک، کفر، نافرمانی، ناشکری، بغاوت، بے ایمانی، غرور، جھوٹ، غیبت، لالچ، حسد، نفاق، دکھاوا اور مردم آزاری وغیرہ۔ اور نصوح کے والد ان گناہوں کی وجہ سے سخت پریشان نظر آ رہے تھے۔

س ۶: نصوح کے باپ کے خلاف کون کون گواہی دینے پر آمادہ تھے؟
ج: نذیر احمد نے اپنے سبق "نصوح کا خواب" میں بتایا ہے کہ نصوح کے باپ کے خلاف کراماً کاتبین کے علاوہ اس کے اپنے اعضاء ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ گواہی دینے پر آمادہ تھے۔ اصل میں یہ حدیث کے مضمون کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے جسم کے مختلف حصے اُس کے خلاف گواہی دیں گے۔

س ۷: ہمسائے کی سزا سے رہائی کیسے ممکن ہوئی؟
ج: نذیر احمد نے اپنے سبق "نصوح کا خواب" میں بتایا ہے کہ ہمسائے کی سزا سے رہائی ایسے ممکن ہوئی کہ اس کے بیوی بچوں نے اسکی مغفرت کے لیئے رو رو کر دعا کی تو اُس کو بلا کر فرمایا گیا کہ ہم کو تیری یہی بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ تُو نے اپنے خاندان میں نیکی کا بیج بو یا ہے، اس لیئے ہم تیری سب خطائیں معاف کرتے ہیں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو، پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۸: اس سبق کا مرکزی خیال لکھیں۔
ج: مرکزی خیال:-
مولوی نذیر احمد کے اس سبق "نصوح کا خواب" کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان کو صرف دنیاوی کاموں کا ہی ہو کر نہیں رہنا چاہیئے بلکہ دنیا کے کاموں کے ساتھ ساتھ آخرت کی فکر بھی کرنی چاہیئے۔ اور خلوص کے ساتھ خدا کی عبادت کرنی چاہیئے تاکہ میدان محشر میں رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

س۹: اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت کیوں ضروری ہے؟

ج: اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت اس لیئے ضروری ہے تاکہ وہ نیکی کی طرف مائل ہوں اور معاشرے کے کارآمد افراد بن کر دنیا آخرت میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ اور ماں باپ کی وفات کے بعد ان کے حق میں دعائے مغفرت کر کے اللہ سے ان کے گناہ معاف کرا سکیں۔

س۱۰: مندرجہ ذیل محاورات، الفاظ و تراکیب کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہو سکے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

الفاظ و تراکیب	جملے
کام تمام کرنا	کینسر کی موذی بیماری جلد ہی مریض کا کام تمام کر دیتی ہے
آنکھیں بند ہونا	باپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی بیٹے وراثت پر جھگڑنے لگے۔
سکوت کا عالم	استاد کی موجودگی کی وجہ سے کلاس میں سکوت کا عالم تھا۔
کمربستہ ہونا	ہمیں اسلام کی سربلندی کے لیئے ہر وقت کمربستہ رہنا چاہیئے
مفارقت	ماں مر گئی تو بچہ اس کی مفارقت میں بلک بلک کر رویا۔
تھرا اٹھنا	جمعہ کے وعظ میں جہنم کا تذکرہ سن کر سب حاضرین تھرا اٹھے۔
دروغ گوئی	دروغ گوئی کبیرہ گناہ ہے۔
مردم آزاری	اسلام مردم آزاری کی اجازت نہیں دیتا۔
وافر	ہمارے ملک میں وافر مقدار میں معدنیات موجود ہیں
خلوص نیت	ہمیں خدا کی عبادت خلوصِ نیت سے کرنی چاہیئے۔
دل جوئی کرنا	حضورؐ غلاموں اور یتیموں کی دل جوئی فرمایا کرتے تھے۔
مصمم	میں نے ہر گناہ سے دور رہنے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔

س ۱۱: اپنے چھوٹے بھائی کو خط لکھیں جس میں اسے معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں سے بچنے کی تلقین کریں۔

ج:

ایبٹ آباد

17 اپریل 2016ء

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

پیارے بھائی امجد!

السلام علیکم۔ امید ہے کہ تم خیریت سے ہوگے اور دل لگا کر اپنے سالانہ امتحان کی تیاری کر رہے ہوگے۔ میرے پیارے بھائی! جیسے ہم دنیا کے امتحان کی تیاری کرتے ہیں، ایسے ہی عنقریب آخرت کا امتحان بھی آنے والا ہے اور آخرت کے امتحان میں کامیابی کے لیئے عبادات کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے گناہ اور معاشرتی برائیوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

ہمارے معاشرے میں ملک دشمن عناصر مختلف طریقوں سے قوم کے نوجوانوں کو گمراہ کرنے میں مصروف ہیں۔ جس میں آج کل نشے کی برائی سرفہرست ہے۔ نشہ ایک ایسی لعنت ہے جو بڑی تیزی سے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ جو لوگ نشے کے عادی بن جاتے ہیں، وہ اپنا نشہ پورا کرنے کے لیئے چوری کرنے لگتے ہیں اور معاشرے میں اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ لڑکے ویڈیو گیمز کا شوق پورا کرنے کے لیئے مختلف دکانوں میں جاتے ہیں، جہاں وہ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو کر اپنا مستقبل داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

اس لیئے میرے پیارے بھائی! تم کبھی بھی غلط دوستوں کی صحبت اختیار مت کرنا اور نہ برے لوگوں سے کوئی تعلق رکھنا۔ یہ تمہارا اولین فریضہ ہے کہ خود بھی ہر معاشرتی برائی سے بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔

خدا تمہارا حامی و ناصر ہو، گھر میں سب کو سلام دینا۔

والسلام

تمہارا خیر اندیش ہارون محمد

س ۱۲: سیاق وسباق کا حوالہ دے کر مندرجہ ذیل اقتباس کی وضاحت کریں

اقتباس: کیوں نہیں، یہ انہی اعمال کی بدولت ہے کہ میں دوسروں سے کم تکلیف میں ہوں۔ یہاں ہمارے اعمال میں خلوص نیت شرط ہے ------------

---- جیسے کسی سرائے میں مسافر، مگر وہاں گیا تو بس وہیں کا ہو رہا اور ایسی لمبی تان کر سویا کہ قبر میں آ کر جاگا۔

حوالہ متن:

یہ اقتباس سبق نصوح کا خواب سے لیا گیا ہے۔ جس کے مصنف کا نام مولوی نذیر احمد ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

سیاق وسباق:-

ایک سال دہلی میں ہیضے کی وبا پھیلی، جس سے نصوح بھی بیمار ہو گیا اور حکیم کی دوائی کھا کر گہری نیند سو گیا۔ خواب میں اس نے دیکھا کہ خدا کی عدالت لگی ہوئی ہے اور لوگ بارگاہ خداوندی میں پیش ہو کر سزا یا جزا پا رہے ہیں۔ اپنے والد کو بھی اُس نے اسی عدالت کے حوالاتیوں میں بیٹھا دیکھا جو اپنے اعمال نامے کے گناہوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ نصوح نے باپ کو پریشان دیکھ کر پوچھا کہ آپ تو نماز روزے کے بہت پابند تھے، کیا وہ آپ کے کام نہیں آئے؟

تشریح:-

اس اقتباس میں مولوی نذیر احمد بتاتے ہیں کہ جب نصوح نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ تو دنیا میں نماز روزے کے بہت پابند تھے کیا یہ نیک اعمال مرنے کے بعد آپ کے کام نہیں آئے؟ تو باپ نے جواب دیا کہ انہی نیک اعمال کی وجہ سے میں یہاں ذرا آرام سے ہوں اور دوسروں کی بہ نسبت میری تکلیف ذرا کم ہے۔ لیکن یہاں اعمال کی قبولیت کے لیئے نیت کا خالص ہونا ضروری ہے اور دنیا میں جو نمازیں میں پڑھتا رہا وہ اخلاص اور توجہ سے خالی تھیں۔ نماز میں بھی مجھے دنیاوی باتیں یاد آتی رہتی تھیں یوں لگتا تھا کہ میں نماز پڑھنے کے بجائے گھاس کاٹ رہا ہوں۔ اور یہی حال

میرے روزوں کا بھی تھا۔ میں روزوں کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتا تھا اور انتظار میں رہتا تھا کہ کب عید آئے گی اور مجھے اس تکلیف سے چھٹکارا ملے گا۔ جیسے کوئی قیدی رہائی کی تاریخ کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے، ایسے ہی میں عید کے چاند کا انتظار کرتا تھا۔ اور رمضان شریف کے تیس دن گزارنا میرے لیئے موت سے کم نہ ہوتا تھا۔ اور میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں دنیا کی عارضی قیام گاہ میں جا کر غفلت کی ایسی نیند سویا کہ قبر میں آ کر میری حقیقت کی آنکھ کھلی۔ اور اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔

جنید مسعود

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007





تعارف میر تقی میرؔ

میر تقی میرؔ 1724ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد علی تھا لیکن لوگ، انہیں علی متقی کہتے تھے۔ میرؔ بچپن میں یتیم ہو گئے اور دہلی چلے گئے۔ ساری زندگی غموں اور پریشانیوں میں گزری۔ میرؔ کو "خدائے سخن" کہا جاتا ہے۔ بڑے بڑے شاعروں نے میرؔ کو استاد تسلیم کیا ہے۔ ان کی عظمت کا راز غزل گوئی میں پوشیدہ ہے۔ ان کے اشعار میں گہرائی اور دل میں اتر جانے والا احساس ملتا ہے وہ اپنی شاعری میں صرف جذبات سے کام نہیں لیتے، حقیقت پسندی بھی ان کے کلام کی جان ہے۔ انہوں نے دہلی کی تباہی و بربادی کے جو مناظر دیکھے تھے، اُن کی جھلک ان کے کلام میں صاف نظر آتی ہے۔ اردو کا یہ عظیم شاعر 1810ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو کر لکھنؤ میں دفن ہوا۔

غزلیات میر تقی میرؔ

فرہنگ

مونس	ہمدرد	ہجراں	جدائی
ڈھب	طریقہ	ہمدم	دوست
اشک	آنسو	سخن	بات
مقدور	طاقت	گریہ	رونا

"معروضی سوالات"

۱۔ میر تقی میر ـــــــ میں پیدا ہوئے۔ الف: دہلی ب: آگرہ

۲۔ میر کے والد کا نام ـــــــ تھا۔ الف: محمد علی ب: محمد متقی

۳۔ میر کو ـــــــ کہا جاتا ہے۔ الف: خدائے غزل ب: خدائے سخن

۴۔ میر کی عظمت کا راز انکی ـــــــ میں پوشیدہ ہے۔ الف: غزل گوئی ب: نظم گوئی

۵۔ ـــــــ تھا اِک مونسِ ہجراں الف: صبر ب: شکر

۶۔ بات کا کس کو ـــــــ نہیں آتا الف: طریقہ ب: ڈھب

۷۔ عشق ہیں یہ ـــــــ نہیں آتا الف: ہنر ب: ادب

۸۔ فقیرانہ آئے ـــــــ کر چلے الف: صدا ب: دعا

۹۔ ہمیں ـــــــ اپنا دکھا کر چلے الف: زخم ب: داغ

۱۰۔ سو اُس عہد کو اب ـــــــ کر چلے الف: وفا ب: بے وفا

۱۱۔ غزل کے پہلے شعر کو ـــــــ کہتے ہیں۔ الف: ابتدا ب: مطلع

۱۲۔ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے ـــــــ کہلاتا ہے۔
الف: مقطع ب: اختتام

"مشق"

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0344-4470007

س ۱: پہلی غزل کا مطلع لکھیں۔

ج: نوٹ: غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔

پہلی غزل کا مطلع:

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا

س ۲: دوسری غزل کا مقطع لکھیں۔

ج: نوٹ: غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے مقطع کہلاتا ہے۔

دوسری غزل کا مقطع:

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر ۔۔ جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

س ۳: پہلی غزل کے قوافی لکھیں۔

ج: نوٹ: ردیف سے پہلے آنے والے ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔

پہلی غزل کے قوافی: کب، جب، تب، اب، سبب، ڈھب، لب، ادب

س ۴: دوسری غزل کی ردیف لکھیں۔

ج: نوٹ: وہ الفاظ جو شعر کے آخر میں بار بار آئیں، ردیف کہلاتے ہیں۔

دوسری غزل کی ردیف: "کر چلے"

س ۵: مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع لکھیں۔

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
سبب	اسباب	دوا	ادویہ	سجدہ	سجود	ادب	آداب

س ۶: مذکر کو مؤنث اور مؤنث کو مذکر میں بدل کر جملے دوبارہ لکھیں۔

۱. نوکر نے راجہ کو سلام کیا۔ ← نوکرانی نے رانی کو سلام کیا۔

۲. ماں نے بیٹی کو نصیحت کی۔ ← باپ نے بیٹے کو نصیحت کی۔

۳. ماں نے بہو سے پانی مانگا۔ ← باپ نے داماد سے پانی مانگا۔

۴. مالی پودوں کو پانی دے رہا ہے۔ ← مالن پودوں کو پانی دے رہی ہے۔

۵. حجن نے خادمہ کو انعام دیا۔ ← حاجی نے خادم کو انعام دیا۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0344-4470007

غزل 1 — اشعار کی تشریح

شعر 1: اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا ، لہو آتا ہے جب نہیں آتا

تشریح:-

میر تقی میر کی ساری زندگی چونکہ دکھوں اور پریشانیوں میں گزری تھی جس کی وجہ سے انکی آنکھیں ہر وقت آنسوؤں سے بھری رہتی تھیں۔ اسی بات کا اظہار میر اس شعر میں کر رہے ہیں کہ دکھوں اور غموں کی وجہ سے میری آنکھیں ہر وقت آنسو بہاتی رہتی ہیں، یہ آنسو کبھی رکنے کا نام ہی نہیں لیتے، اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے میری آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے خون آنے لگتا ہے۔ یعنی میرے دل میں جب غموں اور دکھوں کی شدت بڑھ جاتی ہے تو میں خون کے آنسو رونے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔

بقول شاعر، یوں چشم تر سے چہرے پر آنسو ہوئے رواں — دریا سے جیسے لاوے ہے کوئی نہر کاٹ کر

شعر ۲، ہوش جاتا نہیں رہا لیکن ، جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

تشریح:-

اس شعر میں میر کہتے ہیں کہ میں ایک ہوش مند انسان ہوں اور ہر وقت پوری طرح ہوش و حواس میں رہتا ہوں۔ اسی لیئے مجھے اپنے دکھ درد کا احساس بھی شدت سے ہوتا ہے۔ لیکن جب کبھی میرا محبوب میرے حال پر ترس کھا کر میری مزاج پُرسی کے لیئے چلا آتا ہے تو اُس کے بے پناہ حُسن کے جلوے کی تاب نہ لا کر میرے ہوش و حواس اُڑ جاتے ہیں۔ پھر میں اپنے دل کا حال محبوب کو بیان کرنے سے قاصر ہو جاتا ہوں اور نہ ہی اُس سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر سکتا ہوں۔ اور محبوب کے دیدار سے بھی پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو پاتا۔

بقول شاعر، جسے میر ترا جلوہ ترا دیدار رہے — وہ پھر کیسے ہوش میں بیدار رہے

شعر ۳: صبر تھا اِک مُونسِ ہجراں ،، سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

تشریح:-

میر تقی میرؔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ محبوب سے جدائی کے زمانے میں صبر ہی میرا غمخوار اور ہم درد ساتھی تھا یعنی میں محبوب سے جدائی کو بڑے صبر سے برداشت کرتا رہا، لیکن محبوب سے یہ جدائی اب اتنی طویل ہوگئی ہے کہ میری قوتِ برداشت جواب دے گئی ہے اور میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا ہے لہذا اب میں مزید صبر نہیں کر سکتا اور مزید محبوب کی جدائی کا دکھ نہیں سہہ سکتا کیونکہ محبوب سے جدائی کا دُکھ اب میرے لیئے ناقابلِ برداشت اذیت بنتا جا رہا ہے۔

بقول شاعر: صبر اے دل کہ یہ حالت دیکھی نہیں جاتی ٹھہر اے درد کہ اب ضبط کا یارا نہ رہا

شعر ۴: دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش ،، گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

تشریح:-

اس شعر میں میر تقی میرؔ گہرے دُکھ کے عالم میں اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ میرا یہ رونا دھونا اور آہ و زاری کرنا بے وجہ نہیں ہے۔ میری زندگی مسلسل دکھوں اور غموں میں گزری ہے لیکن میں اپنے محبوب کی محبت پانے کی خواہش لیئے صبر سے زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ مگر زندگی کی مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے اب میں اتنا دلبرداشتہ ہوگیا ہوں کہ محبوب کے مِلن کی خواہش بھی میرے دل سے ختم ہوگئی ہے۔ اس لیئے اب رونا اور صرف رونا ہی میرا مقدر ہے اور خوشی نام کی کوئی چیز میری زندگی میں باقی نہیں رہی۔

بقول شاعر: بے سبب نہیں آتے ہیں آنکھ میں آنسو غم کوئی پرانا یاد آیا ہوگا

جنید مسعود
لیکچرار اردو [illegible]

شعر ۳: صبر تھا اِک مُونسِ ہجراں ،، سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

تشریح:-

میر تقی میرؔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ محبوب سے جدائی کے زمانے میں صبر ہی میرا غمخوار اور ہم درد ساتھی تھا یعنی میں محبوب سے جدائی کو بڑے صبر سے برداشت کرتا رہا، لیکن محبوب سے یہ جدائی اب اتنی طویل ہوگئی ہے کہ میری قوتِ برداشت جواب دے گئی ہے اور میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا ہے لہذا اب میں مزید صبر نہیں کرسکتا اور مزید محبوب کی جدائی کا دکھ نہیں سہہ سکتا کیونکہ محبوب سے جدائی کا دُکھ اب میرے لیئے ناقابلِ برداشت اذیت بنتا جا رہا ہے۔

بقول شاعر: صبر اے دل کہ یہ حالت دیکھی نہیں جاتی ٹھہر اے درد کہ اب ضبط کا یارا نہ رہا

شعر ۴: دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش ،، گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

تشریح:-

اس شعر میں میر تقی میرؔ گہرے دُکھ کے عالم میں اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ میرا یہ رونا دھونا اور آہ و زاری کرنا بے وجہ نہیں ہے۔ میری زندگی مسلسل دکھوں اور غموں میں گزری ہے لیکن میں اپنے محبوب کی محبت پانے کی خواہش لیئے صبر سے زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ مگر زندگی کی مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے اب میں اتنا دلبرداشتہ ہوگیا ہوں کہ محبوب کے مِلن کی خواہش بھی میرے دل سے ختم ہوگئی ہے۔ اس لیئے اب رونا اور صرف رونا ہی میرا مقدر ہے اور خوشی نام کی کوئی چیز میری زندگی میں باقی نہیں رہی۔

بقول شاعر: بے سبب نہیں آئے ہیں آنکھ میں آنسو غم کوئی پرانا یاد آیا ہوگا

جنید مسعود
[illegible]

شعر ۵ : حوصلہ شرطِ عشق ہے ورنہ ،، بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

تشریح :-

اس شعر میں میر تقی میر کہہ رہے ہیں کہ عشق و محبت کی شرائط میں سے ایک اہم شرط "حوصلہ" ہے۔ عشق میں انہی لوگوں کو کامیابی ملتی ہے جو بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ محبوب کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہیں اور کبھی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں بات کرنے کا سلیقہ اور طریقہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اگر چاہوں تو محبوب سے بہت کچھ کہہ سکتا ہوں لیکن آدابِ عشق کا لحاظ کرتے ہوئے میں خاموشی اور حوصلے سے محبوب کے ظلم و ستم برداشت کر رہا ہوں۔

بقول شاعر : خموش اے دل بھری محفل میں چلّانا نہیں اچھا ۔ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

شعر ۶ : جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم ،، پر سخن تا بلب نہیں آتا

تشریح :-

میر تقی میر اس شعر میں اپنے محبوب کو مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں کہ اے میرے دوست! میرے دل میں کہنے کے لیئے بہت سی باتیں ہیں، طرح طرح کے گلِے اور شکوے میرے ذہن میں موجود ہیں لیکن آدابِ عشق کے تقاضوں کی وجہ سے میں اپنی زبان سے کسی قِسم کا شکوہ نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ عشق کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے زبان سے بھی کچھ نہ کہا جائے اور کوئی ایسی بات زبان پر نہ لائی جائے جو آدابِ عشق کے خلاف ہو اور اُس بات کی وجہ سے محبوب بھی ناراض ہو جائے۔

بقول شاعر : شکوۂ غم ترے حضور کیا ۔ ہم نے بے شک بڑا قصور کیا

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

شعر ۷: دُور بیٹھا غبار میرؔ اُس سے ،، عشق بن یہ ادب نہیں آتا

تشریح :-

غزل کے مقطع میں میر تقی میرؔ آدابِ عشق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے محبت میں عشق کے آداب کا پوری طرح خیال رکھا ہے، کیونکہ جب کبھی میں اپنے محبوب سے ملنے گیا ہوں اور جب بھی مجھے اُس کے در پر حاضری کا موقع ملا ہے تو میں نے کبھی بھی راستے کی دھول مٹی کو محبوب پر نہیں پڑنے دیا، میں ہمیشہ اُس سے ذرا فاصلے پر بیٹھا ہوں تاکہ راستے کا گرد و غبار اُس پر نہ پڑے اور اس کی شان میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہو جائے۔ میرؔ کہتے ہیں کہ محبوب کا احترام کرنے کا یہ سلیقہ مجھے عشق نے سکھایا ہے، عشق کے بغیر یہ ادب نہیں سیکھا جا سکتا۔

بقول شاعر: ہوش میں رہ، مت چاک کر گریباں اپنا وہ عشق ہی کیا جو حدِ ادب میں نہ رہے

غزل ۲ میر تقی میرؔ

جنید مسعود

شعر ۱: فقیرانہ آئے صدا کر چلے ،، میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

تشریح :-

دستور یہ ہے کہ جب فقیر کسی کے دروازے پر آکر بھیک کی صدا لگاتا ہے اور اسے کچھ ملے یا نہ ملے، وہ دونوں صورتوں میں گھر والوں کو دعا دیتا ہوا جاتا ہے۔ اسی طرح میر تقی میرؔ کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! میں بھی فقیروں کی طرح آیا تھا اور تمہارے دل کے دروازے پر دستک دے کر محبت کی بھیک مانگی تھی مگر تم نے میری درخواست پر کوئی توجہ نہ دی اور مجھے اپنی چاہت کی دولت سے محروم رکھا۔ لیکن مجھے پھر بھی تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اور میں بھی تمہیں دعا ہی دیتا ہوں کہ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے اور تم پھولوں کی طرح ہنستے مسکراتے رہو۔

بقول شاعر: اُس دشمنِ وفا کو دعا دے رہا ہوں میں در کا جس نے اپنے گدا سا بنا ہوا ہے

شعر ۲: جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ،، سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

تشریح:-

اس شعر میں میر تقی میر اپنے محبوب کو مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں کہ میں نے تمہیں اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیئے کہا تھا کہ مجھے تم سے بے حد پیار ہے اور میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس کے باوجود تم نے میرا یقین نہیں کیا اور مجھ سے اپنی آنکھیں پھیر لی ہیں لہذا اب میں اپنی بات کو سچ ثابت کر رہا ہوں اور تمہاری بے رخی اور بے وفائی کے غم میں جان دیکر اس فانی دنیا سے کُوچ کر رہا ہوں تاکہ تمہیں پتہ چل سکے کہ میں عشق میں کتنا سچا اور وعدے کا کتنا پکا ہوں۔

بقول شاعر: صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ ،، کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

شعر ۳: نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے ،، ہمیں داغ اپنا دِکھا کر چلے

تشریح:-

اس شعر میں میر تقی میر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہیکہ اس دنیا کی تھوڑی سی زندگی میں ہم نے اپنے دوستوں کو رنجیدہ اور غمزدہ نہیں دیکھا۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے دوستوں کی غمی خوشی میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور دوستوں کی خوشی کو اپنی خوشی اور دوستوں کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے۔ اس اظہارِ تشکر کے بعد شاعر کہتا ہے کہ ہم نے تو دوستوں کے غم اور دکھ نہیں دیکھے لیکن ہمارا اپنا دل بہت دُکھی اور داغ داغ ہے۔ ہم زندگی کی پریشانیوں اور عشق کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتے رہے ہیں اور ہم اپنے دُکھی دل کے یہ زخم دوستوں کو دکھا کر اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ہماری اس المناک موت کا انہیں بہت دکھ ہو گا۔

بقول شاعر: بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ،، اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

شعر ۴ : شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی ،، کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

تشریح :-

اس شعر میں میر تقی میر کہتے ہیں کہ میں عشق جیسے لاعلاج مرض میں مبتلا ہوں اور میری قسمت میں اس مرض سے صحت یاب ہونا لکھا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی استطاعت اور توفیق سے مطابق اس مرض سے چھٹکارا پانے کے لیئے ہر ممکن علاج معالجہ کیا لیکن میں صحت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور بجائے کم ہونے کے یہ مرض روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ اس لیئے اب میں اس موذی مرض کے باعث جان سے ہاتھ دھو کر اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں

بقول شاعر :- مریضِ عشق پہ ہو رحمت خدا کی ،، مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

شعر ۵ : وہ کیا چیز ہے آہ! جس کے لیئے ،، ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

تشریح :-

اس شعر میں شاعر بڑے دُکھ بھرے لہجے میں کہتا ہے کہ ہائے افسوس! وہ کون سی چیز ہے جس کی خاطر ہم نے دنیا کی ہر چیز سے اپنے دل کو بیزار کر لیا ہے اور دنیا کی تمام خواہشات کو اپنے دل سے نکال پھینکا ہے۔ اب تو بس دل میں صرف اپنے محبوب کے دیدار کی خواہش باقی رہ گئی ہے اور میں صرف یہی چاہتا ہوں کہ میرا محبوب میری نظروں کے سامنے ہو اور میں اس کا دیدار کر کے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھاتا رہوں۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ میرے دل دماغ پہ ہر وقت محبوب کا تصور چھایا رہتا ہے، اس کے علاوہ مجھے دنیا کی کسی چیز میں دلچسپی نہیں رہی۔

بقول شاعر : جو اور کچھ ہو تیری دید کے سوا منظور ،، تو مجھ پہ خواہش جنت حرام ہو جائے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

شعر ۶: دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا ،، ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

تشریح :

اس شعر میں میر تقی میر اپنے محبوب کے بے پناہ حُسن وجمال کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا محبوب اتنے دلفریب حُسن کا مالک ہے کہ جب وہ میرے سامنے آیا تو اُس کے حُسن کے جلوے دیکھ کر میں اپنے ہوش وحواس ہی کھو بیٹھا۔ پھر مجھ پر بے خودی کی ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ میں اپنے آپ سے بھی بے خبر ہوگیا کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی بے خودی کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے کہ میرے محبوب کے حُسن کی تجلی مجھے اپنے آپ سے بھی بیگانہ کر دیتی ہے۔

بقولِ شاعر : آزادؔ بے خودی کے نشیب وفراز دیکھ ،، پوچھی زمین کی تو کہی آسماں کی

شعر ۷ : جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی ،، حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0344-4470007

تشریح :

اس شعر میں میر تقی میر بندگی کی حقیقت واضح کرتے ہوئے بتا رہے ہیں کہ ہم تو صرف ایک خدا کو ماننے والے اور اسی کی عبادت کرنے والے بندے ہیں۔ اس لیئے ہماری یہ پیشانی خدا کے علاوہ کسی اور کے در پر کبھی نہیں جھکی اور ہم نے اللہ کی اتنی عبادت کی ہے اور اس کی چوکھٹ پر اتنے سجدے کیئے ہیں کہ گویا ہم نے مرنے سے پہلے پہلے اُس کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ شاعر کا ذاتی خیال ہے کہ اس نے بندگی کا حق ادا کر دیا ہے ورنہ خدا کی نعمتیں بندے پر اتنی زیادہ ہیں کہ اگر بندہ تمام عمر سجدے میں پڑا رہے تب بھی خدا کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

بقولِ شاعر : جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی ،، حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شعر ۸: پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے ،، نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میر نے بت کا لفظ استعارہ کے طور پر اپنے محبوب کے لیئے استعمال کیا ہے۔ اصل میں شاعر کا محبوب بہت پتھر دل واقع ہوا ہے اور وہ شاعر کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے رہا تو شاعر محبوب کو مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ اے میرے محبوب! میں نے تجھ سے اس قدر والہانہ محبت کی ہے کہ سب دیکھنے والے یہ خیال کرنے لگے کہ میں نے معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر تجھے اپنا معبود بنا لیا ہے۔ گویا دنیا والوں کی نظر میں میں نے تجھے اپنا خدا بنا لیا ہے، مگر افسوس تم نے کبھی میری محبت کے جواب میں کوئی خوشگوار ردعمل ظاہر نہیں کیا اور ہمیشہ تجھ سے بے رخی ہی برتی ہے۔

بقول شاعر: چھوڑوں گا میں نہ اس بتِ کافر کا پوجنا ،، چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

شعر ۹: کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر ،، جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

تشریح:

انسان کو دنیا میں اس لیئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کر کے موت کے بعد والے سفر کی تیاری کرے لیکن انسان دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اپنے اصل مقصد کو بھلا بیٹھتا ہے۔ کچھ ایسا ہی حال شاعر کا بھی ہے، اس لیئے شاعر خود سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر کوئی تم سے پوچھ بیٹھے کہ بتاؤ دنیا میں تمہیں کس کام کے لیئے بھیجا گیا تھا اور تم کیا کام کر کے جا رہے ہو تو تمہارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے غفلت بھری زندگی گزاری ہے اور گناہوں کی دلدل میں پھنس کر اپنی آخرت تباہ کر دی ہے۔ اس لیئے اے میر اب سوائے ندامت اور پچھتاوے کے تیرے دامن میں اور کچھ نہیں ہے۔

بقول شاعر: جس کام کو جہاں میں تُو آیا تھا نظیر ،، خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

جنید مسعود

خواجہ حیدر علی آتش

خواجہ حیدر علی آتش 1746ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ آتش کی زندگی کا زیادہ عرصہ لکھنؤ میں گزرا۔ آپ کو دبستانِ لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔ آتش مصحفی کے شاگرد تھے اور مصحفی کی آزاد خیالی اور قلندری نے آپ کے کلام میں اپنا رنگ دکھایا ہے۔ آپ کی شاعری کی نمایاں خصوصیت آپ کی آتش بیانی ہے۔ آپ کے اشعار میں ہر لفظ موتیوں کی طرح جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ کو حسن و عشق کی باتوں کو لکھنوی انداز میں بیان کرنے کا فن خوب آتا ہے۔ آتش کی زبان نہایت صاف، سادہ اور سلیس ہے۔ آپ کا کلام پڑھ کر کسی قسم کی مایوسی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ طبیعت میں شگفتگی اور مسرت پیدا ہوتی ہے۔

آتش کو گزر اوقات کے لیئے اودھ کے نواب کی طرف سے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، آپ اسی میں قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں صبا، دیا شنکر نسیم اور نواب مرزا شوق قابلِ ذکر ہیں۔ آتش نے غزل میں دو دیوان لکھے اور 1846ء کو لکھنؤ میں وفات پائی۔

غزلیاتِ آتش

فرہنگ

اشک	آنسو	خار	کانٹے
کف	ہتھیلی	علم	جھنڈا
کج	ٹیڑھا	طائر	پرندہ
مے	شراب	کوچ	روانگی
زر	سونا، دولت	شجر	درخت
بدرقہ	سامان، رہنما	مدعی	مخالف
دیار	ملک	خلق	مخلوق
جلوہ گر	رونق دکھانے والا	گل	پھول

"معروضی سوالات"

۱۔ حیدر علی آتش ۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔ الف: فیض آباد ب: حیدر آباد

۲۔ آتش ۔۔۔۔۔۔ کے شاگرد تھے۔ الف: غالب ب: مصحفی

۳۔ آتش کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ۔۔۔۔۔۔ ہے۔ الف: آتش بیانی ب: سادگی

۴۔ آتش کو دبستانِ ۔۔۔۔۔ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔ الف: لکھنؤ ب: دہلی

۵۔ کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا ۔۔۔۔۔ کیا الف: ناصحانہ ب: غائبانہ

۶۔ طبل و عَلم ہی پاس ہے اپنے نہ ۔۔۔۔۔۔ الف: ملک و مال ب: جاہ و جلال

۷۔ یوں مدعی حسد سے نہ دے داد ۔۔۔۔۔۔ الف: تو نہ دے ب: تو دے

۸۔ عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ۔۔۔۔۔ میں الف: زندگی ب: ہستی

۹۔ خدا تو دوست ہے دشمن ۔۔۔۔۔ راہ میں ہے الف: ہزار ب: لاکھ

۱۰۔ زیرِ زمین مرکبِ ۔۔۔۔۔ ہے۔ الف: عطفی ب: اضافی

۱۱۔ دام و دانہ مرکبِ ۔۔۔۔۔ ہے۔ الف: عطفی ب: توصیفی

۱۲۔ ہمارا ۔۔۔۔۔ ہمیں ناگوار راہ میں ہے الف: دوست ب: سایہ

۱۳: جب تیر ۔۔۔۔۔ پڑے گا، اڑے گا نشانہ کیا الف: کج ب: الٹا

"مشق"

س ۱: پہلی غزل کے قوافی لکھیں۔

ج: پہلی غزل کے قوافی:۔ فسانہ ، غائبانہ ، خزانہ ، خانہ ، دانہ
زمانہ، نشانہ ، عاشقانہ

س ۲: دوسری غزل کی ردیف لکھیں۔

ج: دوسری غزل کی ردیف:۔ "راہ میں ہے"۔

س ۳: پہلی غزل کے دوسرے شعر میں قارون کا ذکر کس حوالے سے آیا ہے؟
ج: پہلی غزل کے دوسرے شعر میں قارون کا ذکر کیا گیا ہے۔ قارون حضرت موسٰیؑ کے زمانے کا ایک مالدار شخص تھا۔ اس کے پاس مال و دولت کے خزانے اس قدر زیادہ تھے کہ چالیس اونٹوں پر اس کے خزانوں کی چابیاں لدی ہوتی تھیں۔ لیکن جب اس نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تو حضرت موسٰیؑ کی بددعا کے نتیجے میں قارون اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنس گیا۔ تو شاعر اس دوسرے شعر میں کہتا ہے کہ اب قارون کا خزانہ زرد پھولوں کی شکل میں زمین سے نکل کر باہر آ رہا ہے۔

س ۴: پہلی غزل کے پانچویں شعر کو نثر میں تبدیل کریں۔
ج: پانچواں شعر: طبل و عَلم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کر کرے گا زمانہ کیا

نثر:
ہمارے پاس نہ نقارہ اور جھنڈا ہے اور نہ ملک و مال ہے۔ زمانہ ہمارے خلاف ہو کر کیا کرے گا۔

س ۵: دوسری غزل کے دوسرے شعر میں کون سی خاص بات بیان کی گئی ہے؟
ج: دوسرا شعر: عدم کے کُوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں
نہ کوئی شہر، نہ کوئی دیار راہ میں ہے

خاص بات:
اس شعر میں یہ خاص بات بیان کی گئی ہے کہ اس دنیا کو ایک نہ ایک دن چھوڑ کر سب نے آخرت کے سفر پہ جانا ہے اور آخرت کے سفر میں آرام کے لیئے کوئی شہر اور بستی راستے میں نہیں آتی۔ اس لیئے انسان کو دنیا میں رہ کر آخرت کے سفر کا بھی سوچنا چاہیئے۔

س۶: دوسری غزل کے پانچویں شعر کی تشریح کریں

ج: تشریح آگے آئے گی۔

س۷: مندرجہ ذیل کس قسم کے مرکبات ہیں۔

ج: ① زیرِ زمین = مرکب اضافی ② طبل و علم = مرکب عطفی

③ رنگِ گل = مرکب اضافی ④ دام و دانہ = مرکبِ عطفی ⑤ شجرِ سایہ دار = مرکب توصیفی

س۸: مصرعے مکمل کریں۔

ج: "معروضی سوالات" ملاحظہ کریں۔

س۹: غزل نمبر 1 کے دوسرے شعر میں "دام" کا لفظ بمعنی جال استعمال ہوا ہے۔ اس کے دوسرے معنی "قیمت" بھی ہیں۔ ایسے الفاظ کو ذومعنی الفاظ کہا جاتا ہے۔ آپ کم از کم پانچ ذومعنی الفاظ تلاش کرکے جملے بنائیں۔

ذومعنی الفاظ	جملوں میں استعمال
عالَم (جہان)	یہ سارا عالَم اللہ کا تخلیق کردہ ہے۔
عالَم (حالت)	نزع کا عالَم بہت سخت ہوتا ہے۔
کَل (پُرزہ)	اونٹ رے اونٹ! تیری کون سی کَل سیدھی
کَل —	میں کَل بازار گیا تھا۔
کان (جسم کا حصہ)	میرے کان میں بہت درد ہے۔
کان —	کوئلے کی کان میں مزدور کام کر رہے ہیں۔
ماہ (چاند)	ماہ و انجم خدا کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔
ماہ (مہینہ)	ہم ماہِ رمضان میں عمرہ پر جائیں گے۔

"اشعار کی تشریح"

شعر ۱: سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا، کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

تشریح:

حیدر علی آتش کا یہ شعر ہر اُس شخص کے لیئے ہے جو اِس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں کی رائے بہت اچھی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ لوگ منہ پر ہمیشہ تعریف ہی کرتے ہیں لیکن اپنی حقیقی رائے اس وقت ظاہر کرتے ہیں، جب وہ شخص موجود نہیں ہوتا۔ اور یہ شعر شاعر کے محبوب کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے کہ اے میرے محبوب! لوگ تمہاری موجودگی میں تو تمہاری بہت تعریف کرتے ہیں تاکہ تمہارے ساتھ دوستی قائم رہے مگر تمہاری عدم موجودگی میں وہ تمہاری بے رخی، بے مروتی اور غرور کی شکایت کرتے ہیں اس لیئے اپنی جھوٹی تعریفوں پر خوش مت ہوا کرو اور اپنی اصلاح کرو۔

بقول شاعر: آپ تیری بے رُخی سے زمانہ خفا ہُوا اے سنگ دل تجھے بھی خبر ہے کہ کیا ہُوا

شعر ۲: زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گُل سو زر بکف، قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

تشریح:

قارون حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا مالدار آدمی تھا۔ اس کے خزانوں کی چابیاں چالیس اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات سے انکار کرنے کی وجہ سے اللہ نے اُسے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا۔ تو شاعر زمین پر کھلنے والے پھولوں کو قارون کے خزانے سے ملاتے ہوئے کہتا ہے کہ دھرتی پر کھلنے والے یہ خوش رنگ پھول شاید قارون کے خزانے کا سونا ہے جو خوبصورت پھولوں کی شکل میں زمین کی سطح پر دوبارہ ظاہر ہو رہا ہے۔ اصل میں سونے کا رنگ بھی زرد ہوتا ہے اور عام طور پر پھولوں کے اندر بھی زرد زرد دانے ہوتے ہیں، اس لیئے شاعر نے پھولوں کو قارون کے خزانے سے جا ملایا ہے۔

شعر۳: چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر ،، دل صاف ہو تیرا تو ہے آئینہ خانہ کیا

تشریح:

اس شعر میں حیدر علی آتش عشقِ حقیقی کا مضمون بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے عشقِ حقیقی کا دعویٰ کرنے والے! اگر تیرے دل میں اپنے محبوب یعنی خدا تعالیٰ کے لیئے سچی تڑپ اور محبت موجود ہے تو تُو اپنے دل سے گناہوں کو اس طرح صاف کر لے جس طرح آئینہ صاف ہوتا ہے، پھر تُو جس طرف بھی نگاہ ڈالے گا، تجھے ہر طرف اپنے محبوبِ حقیقی کے جلوے اور کمالات نظر آئیں گے اور پھر تجھے اس کے لیئے کسی شیش محل کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی جس میں ہر طرف ایک ہی شخص کا عکس نظر آتا ہے۔

بقولِ شاعر: دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار ،، جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

شعر۴: صیاد اسیرِ دامِ رگِ گُل ہے عندلیب ،، دکھلا رہا ہے چھپ کے اسے دام و دانہ کیا

تشریح:

اس شعر میں حیدر علی آتش کہتے ہیں کہ اے شکاری! بُلبل تو پہلے ہی پھول کی رگوں کے جال میں پھنس کر قید ہو چکی ہے، تُو اسے پکڑنے کے لیئے چھپ چھپ کر جال اور دانہ کیوں دکھا رہا ہے؟ اصل میں بُلبل پھول کی عاشق ہوتی ہے اور اُس پر اپنی جان نچھاور کرتی ہے جب وہ پھول کی حسین رگوں اور دلکش رنگوں کو دیکھتی ہے تو وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ تو شاعر کہہ رہے ہیں کہ اے شکاری! جو پہلے ہی سے اسیرِ محبت ہو، اُسے جال میں پھانس کر پکڑنا اور پھر پنجرے میں بند کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ جب بُلبل پھول کو چھوڑ کر کہیں جا ہی نہیں سکتی تو اسے قیدی بنا کر رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

بقولِ شاعر: بُلبلوں کے لیئے ہے دامِ رگِ گُل کافی ،، جال پھیلا کے نہ صیاد گلستان روکے

شعر ۵: طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال ،، ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

تشریح :-

اس شعر میں حیدر علی آتش یہ حقیقت بیان کر رہے ہیں کہ اس دنیا میں عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جس شخص کے پاس حکومت، عہدہ اور مال و دولت ہو تو لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں اور اس کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تاکہ اسے عہدے اور مال و دولت سے محروم کر دیں اور اسکی ہر چیز اپنے قبضے میں لے سکیں۔ تو شاعر کہتا ہے کہ میں اس لحاظ سے خوش قسمت ہوں کہ میرے پاس دنیاوی شان و شوکت کا کوئی ساز و سامان نہیں ہے، نہ نقارہ اور جھنڈا ہے اور نہ ہی حکومت اور اقتدار ہے۔ ہم تو فقیر لوگ ہیں۔ اگر زمانہ میرا دشمن بھی ہو گیا تو اُسے مجھ سے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔

بقول شاعر اے دوست تجھ کو رحم نہ آئے تو کیا کروں دشمن بھی میرے حال پہ اب آب دیدہ ہے

شعر ۶: ترچھی نگہ سے طائرِ دل ہو چکا شکار ،، جب تیر کج پڑے گا اُڑے گا نشانہ کیا

تشریح :-

اس شعر میں حیدر علی آتش اپنے محبوب کی ترچھی نگاہوں کی مہارت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے ناز و ادا والے محبوب نے اپنی ترچھی نگاہ کے ذریعے کسی ماہر شکاری کی میرے دل کے پرندے کو شکار کر لیا ہے۔ کیونکہ ماہر شکاری کا شکار کرنے کا طریقہ بہت عجیب ہوتا ہے کہ ماہر شکاری پرندے کا شکار کرنے کے لیئے اپنے تیر کو ذرا ٹیڑھا کر کے چلاتا ہے تاکہ پرندہ اس کے نشانے سے بچ نہ سکے اور تیر بھی اچھی طرح اس کے جسم میں پیوست ہو جائے۔ تو شاعر کہتا ہے کہ میرے محبوب کی ترچھی نگاہ نے بھی شکاری کے چلائے ہوئے ٹیڑھے تیر کی طرح میرے دل کو شکار کر لیا ہے اور میں اس کی نظروں کے وار سے بچ نہیں سکا اور اس کی محبت میں گرفتار ہو کر رہ گیا ہوں۔

بقولِ شاعر: تری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا،، دل اس کے ساتھ نکلے گا اگر یہ دل سے نکلے گا

شعر: یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے،، آتش غزل یہ تو نے کہی ہے عاشقانہ کیا

تشریح:-

غزل کے اس آخری شعر میں حیدر علی آتش اپنے کلام کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری یہ غزل بہترین عاشقانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہے اس غزل کے ہر شعر سے عشق و محبت کے جذبات کا بھرپور اظہار ہو رہا ہے۔ کوئی بھی شخص جو شعر و شاعری کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو، وہ میری اس غزل کو پڑھ کر ضرور میری تعریف کرے گا۔ یہ اور بات ہے کہ میرے مخالفین اور رقیب میری اس کمال غزل کو پڑھ کر جل رہے ہیں اور حسد کی وجہ سے بجائے تعریف کے میری شاعری میں نقص نکال رہے ہیں لیکن ان کا یہ عمل محض بدنیتی اور حسد پر مبنی ہے اس لیئے مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

بقول شاعر، مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے،، وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

غزل ۲

شعرا: ہوائے دورِ مئے خوشگوار راہ میں ہے،، خزاں چمن سے ہے جاتی، بہار راہ میں ہے

تشریح:-

اس شعر میں حیدر علی آتش بڑے پُرامید انداز میں خزاں کے جانے اور بہار کے آنے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خوشگوار شراب کا دور چلنے والا ہے اور بہار کی آمد آمد ہے۔ بہار کے موسم میں شراب کی سی مستی پیدا کرنے کی خاصیت ہوتی ہے جسے ہر ذی روح چیز محسوس کر رہی ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ موسمِ خزاں کی حکمرانی کا دور اب گزر چکا ہے اور موسم بہار کی حکمرانی کا دور شروع ہو چکا ہے۔ گویا مشکلات اور مصیبتوں کا دور ختم ہو چکا ہے اور خوشی و مسرت اور شادمانی کا دور آچکا ہے۔ جس طرح خزاں کے بعد بہار ضرور آتی ہے اسی طرح مصیبت اور غم کے بعد راحت اور خوشی بھی ضرور ملتی ہے

بقولِ شاعر: بہار آئی کہ دن ہولی کے آئے،، گلوں میں رنگ کھیلا جا رہا ہے

شعر۲: عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں ،، نہ کوئی شہر نہ کوئی دیار راہ میں ہے

تشریح :-

اس شعر میں حیدر علی آتش آخرت کی فکر دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں غفلت بھری زندگی نہیں گزارنی چاہیئے بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے سفر کی تیاری کرنی چاہیئے۔ اور انسان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس نے ایک نہ ایک دن اس دنیا کو چھوڑنا ہے اور خدا کے حضور اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے۔ اور آخرت کے سفر میں راستے میں کوئی شہر یا بستی بھی نہیں آتی جہاں انسان آرام کرسکے اور آگے کا کوئی سامان مہیا کرسکے۔ اس لیئے انسان کو دنیا ہی میں نیک اعمال کا ذخیرہ جمع کر لینا چاہیئے تاکہ آخرت میں شرمندگی اور رسوائی نہ ہو۔

بقول شاعر: دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے ،، طے کر رہا ہے جو تُو دو دن کا یہ سفر ہے

شعر۳: نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے ،، فقط عنایت پروردگار راہ میں ہے

تشریح :-

حیدر علی آتش اس شعر میں آخرت کے سفر کے حوالے سے کہہ رہے ہیں کہ آخرت کے سفر میں نہ کوئی محافظ ہمارے ساتھ ہوگا اور نہ ہی کوئی دل بہلانے والا دوست ہمیں میسر ہوگا۔ آخرت کا سفر ایک ایسا سفر ہے جو انسان کو تنہا ہی طے کرنا ہوگا۔ اس سفر میں اگر کوئی چیز ہمارا ساتھ دے گی تو وہ ہمارے رب کی مہربانی اور فضل ہی ہے۔ اگر خدا کا فضل شامل حال ہوا تو یہ سفر بڑی آسانی سے کٹ جائے گا۔ اس لیئے خدا کے فضل کو آخرت کے سفر میں حاصل کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ انسان نفس کی خواہشات سے دامن بچا کر خدا کی اطاعت میں زندگی گزارے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھ کر آخرت کے سفر کی تیاری کرے تاکہ آخرت کا پُرخطر سفر اللہ کی مہربانی سے آسان ہوسکے۔

شعر۴: تلاشِ یار میں کیا ڈھونڈئیے کسی کا ساتھ ،، ہمارا سایہ ہمیں ناگوار راہ میں ہے

تشریح :-

اس شعر میں حیدر علی آتش کہتے ہیں کہ محبوب کو تلاش کرنے کے لیئے میں اکیلا ہی نکلوں گا اور اس سفر میں کسی کو اپنا ساتھی نہیں بناؤں گا۔ کیونکہ عشق کی راہ پر چلتے ہوئے کسی کی ہمراہی تو دُور کی بات، انسان کو اس راہ میں اپنا سایہ بھی اچھا نہیں لگتا۔ اصل میں کوئی بھی عاشق اپنے محبوب کے معاملے میں بہت محتاط ہوتا ہے اور وہ کسی بھی صورت میں رقیب کا وجود برداشت نہیں کر سکتا، وہ ہر وقت اس وہم میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں کوئی دوسرا شخص اس کے محبوب کو اپنی طرف مائل نہ کر لے۔ اسی لیئے اس شعر میں شاعر محبوب کی تلاش کے حوالے سے اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کر رہا۔

شعر۵: سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ،، ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

تشریح :-

اس شعر میں حیدر علی آتش کہتے ہیں کہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیئے سب سے ضروری اور اہم چیز سفر اختیار کرنا ہے۔ اس لیئے اے انسان! تُو ہمت کر، اور اپنی منزل تک پہنچنے کے لیئے سفر شروع کر۔ تجھے راستے میں مسافروں پر مہربانی کرنے والے بہت سے ہمدرد لوگ مل جائیں گے جو دوسرے مسافروں کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی مدد کریں گے۔ اور اسی طرح راستے میں تمہیں بہت سے سایہ دار اور گھنی چھاؤں والے درخت ملیں گے، جن کے سائے میں ستا کر اور تازہ دم ہو کر جب تم آگے بڑھو گے تو منزل کا حصول آسان ہو جائے گا شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ جب انسان کوشش کرتا ہے تو کامیابی ضرور اسکے قدم چومتی ہے۔

بقولِ شاعر : اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے ،، پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔

شعر ۶: مقام تک بھی ہم اپنے پہنچ جائیں گے ،، خدا تو دوست ہے دشمن ہزار راہ میں ہے

تشریح :-

اس شعر میں حیدر علی آتش خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ میرا سفر بہت پُرخطر اور مشکل ہے کیونکہ ہزاروں دشمن مجھے روکنے کے لیئے راستے میں گھات لگائے بیٹھے ہیں لیکن اس کے باوجود مجھے امید ہے کہ میں اپنی منزل تک ضرور پہنچ جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی دوستی اور مدد پر پورا یقین ہے اور وہی میرا حقیقی دوست، محافظ اور مددگار ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ اگر انسان اپنی دُھن کا پکا ہو اور خدا پر مضبوط یقین رکھنے والا ہو تو راستے کی ہزار رکاوٹوں کے باوجود منزل تک پہنچ ہی جاتا ہے۔

بقول شاعر: فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے ،، وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

شعر ۷: تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بَل، نہ ٹھہر آتش ،، گُل مراد ہے منزل میں خار راہ میں ہے

تشریح :

حیدر علی آتش اپنی غزل کے آخری شعر میں کہتے ہیں کہ اگر اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے ہوئے راستے میں تمہارے پاؤں تھک جائیں اور آگے چلنے کی اجازت نہ دیں تو تب بھی تم ہمت ہار کر رکنا مت، بلکہ سر کے بَل چلتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہنا کیونکہ اپنی منزل پر پہنچ کر ہی تمہیں تمہاری آرزوؤں اور تمناؤں کا پھول ملے گا اور کانٹے تو صرف راستے میں ہی ہوتے ہیں۔ جب انسان منزل پر پہنچ کر اپنی مراد کا پھول حاصل کر لیتا ہے تو اسے راستے میں چبھنے والے کانٹوں کا درد بھول جاتا ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ راستے کی سب مشکلات بھول جاتا ہے اور وہ اس بات پر فخر محسوس کرتا ہے کہ اس نے بلند ہمتی سے کام لیکر اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔

ولادت : ۱۸۸۰ء
وفات : 1936ء

تعارف : منشی پریم چند

منشی پریم چند ضلع بنارس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ پہلے نواب رائے کے قلمی نام سے لکھتے تھے بعد میں آپ نے پریم چند نام اختیار کر لیا۔ آپ کے والد کا نام منشی عجائب لال تھا، جو ڈاک خانے میں معمولی کلرک تھے۔ پریم چند نے بنارس سے میٹرک کیا اور تعلیم سے فراغت کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور ترقی کرتے ہوئے ڈپٹی انسپکٹر مدارس بن گئے۔

پریم چند اردو کے اہم افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا قومی جذبہ ہے۔ پریم چند وطن پرست افسانہ نگار ہیں، انہیں اپنے وطن کی عظمتوں سے دلی لگاؤ ہے۔ انہوں نے اپنے ملک اور معاشرے کے افراد کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ اُن کے افسانے محبت، خلوص، حقیقت اور زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں۔

نمایاں تصانیف:

زادِ راہ ، واردات ، بیوہ ، میدانِ عمل ، پریم پچیسی ، پریم بتیسی ، پریم چالیسی ، بازارِ حُسن ، جلوۂ حُسن

فرہنگ

خفیف	ہلکی
جُنوں	دیوانگی
ملائمت	نرمی
استخوان	ہڈی
ڈھارس	تسلی
سفلہ مزاج	کمینہ مزاج

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

سبق : حجِ اکبر

امرت	آبِ حیات
اُبٹن	خوشبودار مسالہ
رخنہ	رکاوٹ
خلوت پسند	تنہائی پسند
خانگی تردّدات	گھریلو پریشانیاں
چیں بہ جبیں ہونا	ناراض ہونا

"معروضی سوالات"

● درست جواب پر ✓ لگائیں۔

۱۔ پریم چند کا اصل نام ۔۔۔۔ تھا۔ ✓۱۔ دھنپت رائے ۲۔ نواب رائے

۲۔ آپ کے والد کا نام منشی ۔۔۔۔۔ تھا۔ ۱۔ پریم لال ✓۲۔ عجائب لال

۳۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے ۔۔۔۔ کا پیشہ اختیار کیا۔ ✓۱۔ معلمی ۲۔ صحافت

۴۔ پریم چند اردو کے اہم ۔۔۔۔۔ ہیں۔ ✓۱۔ افسانہ نگار ۲۔ ادیب

۵۔ آپ کے افسانوں کی نمایاں خصوصیت آپ کا ۔۔۔۔۔ ہے۔ ۱۔ دینی جذبہ ✓۲۔ قومی جذبہ

۶۔ منشی صابر حسین کی ۔۔۔۔۔ کم تھی اور خرچ زیادہ۔ ۱۔ تنخواہ ✓۲۔ آمدنی

۷۔ ایک روز بازار سے لوٹنے میں ذرا دیر ۔۔۔۔۔۔ ✓۱۔ ہوگئی ۲۔ ہوئی

۸۔ دایہ نے اس حکم کی ۔۔۔۔ ضروری نہ سمجھی۔ ۱۔ بجاآوری ✓۲۔ تعمیل

۹۔ وہ دایہ کو ایسے ۔۔۔۔ جذبے کا اہل نہیں سمجھتی تھی۔ ✓۱۔ لطیف ۲۔ خالص

۱۰۔ اس حج کا نام ۔۔۔۔۔ ہے۔ ✓۱۔ حج اکبر ۲۔ حج مقبول

۱۱۔ شاکرہ نہایت ۔۔۔۔۔ عورت تھی۔ ۱۔ خوش مزاج ✓۲۔ شکی مزاج

۱۲۔ تمہاری جیسی ۔۔۔۔۔ گلی گلی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔ ✓۱۔ مامائیں ۲۔ نوکرانیاں

۱۳۔ جا کر مردانے میں اپنی ۔۔۔۔۔ کا حساب کر لو۔ ۱۔ آمدنی ✓۲۔ تنخواہ

۱۴۔ صابر حسین فطرتاً ۔۔۔۔۔ آدمی تھے۔ ✓۱۔ خلوت پسند ۲۔ جلوت پسند

۱۵۔ بس اس کی ایک ہی دوا ہے اور وہ ۔۔۔۔ ہے۔ ۱۔ مہنگی ✓۲۔ نایاب

۱۶۔ نصیر کی ۔۔۔۔ اس موسمی تغیرات کو برداشت نہ کر سکی۔ ✓۱۔ نحافت ۲۔ حماقت

۱۷۔ سبق حج اکبر کے مصنف ۔۔۔۔ ہیں۔ ✓۱۔ پریم چند ۲۔ مرزا ادیب

۱۸۔ اس سبق میں جس دایہ کا ذکر ہے اس کا نام ۔۔۔۔ تھا۔ ۱۔ شاکرہ ✓۲۔ عباسی

مشق

س ۱ : متن کے حوالے سے خالی جگہ پُر کریں۔
ج : "معروضی سوالات" ملاحظہ کریں۔

س ۲ : دایہ بچے کا جس طرح خیال رکھتی تھی، اسے اپنے الفاظ میں لکھیں۔
ج : سبق "حج اکبر" میں منشی پریم چند نے بتایا ہے کہ دایہ نصیر سے بے حد پیار کرتی تھی اور اُس کا اس طرح خیال رکھتی تھی جیسے وہ اُس کا اپنا بچہ ہو۔ وہ نصیر کے لیئے مٹھائیاں لایا کرتی، اُسے صاف ستھرا رکھتی، ہر وقت اُسے گود میں اٹھائے پھرتی۔ اُسے نظرِ بد سے بچانے کے لیئے تعویذ گنڈے کراتی۔ اس کے علاوہ دایہ نصیر کو دن میں دو تین بار اُبٹن مَلتی تاکہ بچہ خوب پروان چڑھے۔ یہ دایہ کی خالص مادرانہ محبت تھی، جس میں کوئی دنیاوی غرض شامل نہ تھی۔

س ۳ : شاکرہ کو بوڑھی دایہ پر کیا شک تھا؟
ج : سبق "حج اکبر" میں منشی پریم چند نے بتایا ہے کہ شاکرہ کو بوڑھی دایہ پر یہ شک تھا کہ دایہ ہمیں لوٹنے کے لیئے یہاں رہ رہی ہے۔ اسی لیئے دایہ جب سوداسلف لیکر بازار سے واپس آتی تو شاکرہ دہلیز میں چھپی رہتی تاکہ دیکھے کہ دایہ کوئی چیز تو نہیں چھپا دیتی۔ اور اسی شک کی وجہ سے وہ بار بار دایہ سے چیزوں کا بھاؤ بھی پوچھتی رہتی تھی۔

س ۴ : دایہ کے جانے کے بعد بچے کی جو حالت ہوئی، اسے اپنے الفاظ میں لکھیں۔
ج : سبق "حج اکبر" میں منشی پریم چند نے بتایا ہے کہ دایہ کے جانے کے بعد بچے کی حالت بے حد خراب ہوگئی۔ اُسے انا کی رٹ

لگانے اور رونے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ اسے اپنے کھلونوں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ اکثر سوتے سوتے چونک کر جاگ جاتا اور دایہ کو یاد کر کے رونے لگتا۔ موٹا تازہ بچہ چند ہی دنوں میں دایہ کی جدائی کے غم میں بے حد کمزور ہو گیا اور مسلسل کھانسی کی وجہ سے بخار میں مبتلا ہو گیا۔

س۵: شاکرہ کس مزاج کی عورت تھی؟

ج: سبق "جج اکبر" میں منشی پریم چند نے بتایا ہے کہ بچے کی ماں شاکرہ نہایت شکی اور بدمزاج عورت تھی۔ اس کی بدگمانیوں کی کوئی حد نہ تھی، وہ ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اپنے شکی مزاج کی وجہ سے وہ دایہ پر بھی اعتبار کرنے کو تیار نہ تھی۔

س۶: "تمہیں اس سے کہیں زیادہ ثواب ہو گیا، اس حج کا نام حج اکبر ہے"۔ اس جملے کا کیا مطلب ہے؟

ج: یہ جملہ صابر حسین نے دایہ عباسی کو کہا تھا۔ اور اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ دایہ نے گھر واپس آ کر جو نصیر کی جان بچا لی اور اس کے والدین کو جس اذیت اور پریشانی سے بچا لیا، وہ ایک بہت بڑے حج سے بھی بڑھ کر ثواب کا کام ہے۔

س ۷: مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہو جائے۔

محاورات	جملے
برہم ہونا	بات بات پر برہم ہونا اچھے لوگوں کی عادت نہیں۔
ٹھوکریں کھانا	باپ کی وفات کے بعد یتیم بچہ در در کی ٹھوکریں کھانے لگا۔
چیں بہ جبیں ہونا	کمرۂ جماعت میں بچوں کے شور مچانے پر استاد نے چیں بہ جبیں ہوکر انہیں خاموش رہنے کو کہا۔
جلی کٹی سنانا	بلاوجہ نوکری سے نکالے جانے پر نوکر نے مالک کو وہ جلی کٹی سنائیں کہ خدا کی پناہ۔
جان پڑ جانا	بارش ہوئی تو سوکھی فصلوں میں گویا جان پڑ گئی۔
کہرام مچ جانا	خودکش حملے سے جلسہ گاہ میں ایک کہرام سا مچ گیا۔

س ۸: مندرجہ ذیل جملوں کو درست کریں۔

۱۔ یہاں دفتر جانے کو دیر ہو رہا ہے۔ درست: یہاں دفتر جانے کو دیر ہو رہی ہے۔

۲۔ جو ختا ہوئی، ماف کیجیے۔ درست: جو خطا ہوئی، معاف کیجیے۔

۳۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوتی ہے۔ درست: میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوتا ہے

۴۔ معلوم نہیں کب آنکھیں بند ہو جائے۔ درست: معلوم نہیں کب آنکھیں بند ہو جائیں۔

۵۔ عباسی نے ڈرتے ڈرتے دروازے کو کھولا۔ درست: عباسی نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔

س ۹: سیاق وسباق کا حوالہ دے کر مندرجہ ذیل اقتباس کی وضاحت کریں۔

اقتباس:۔ عباسی کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ دل سے دعا نکلی، اللہ! میری جان کے صدقے، میرے نصیر کا بال بیکا نہ ہو ....

.... مجھے کیا معلوم تھا کہ اسے مجھ سے اتنی محبت ہے، ورنہ شاکرہ کی جوتیاں کھاتی اور گھر سے قدم نہ نکالتی۔ آہ! نہ معلوم بے چارے کی کیا حالت ہے۔

ج: حوالۂ متن:۔

سبق کا نام: حجِ اکبر مصنف کا نام: منشی پریم چند

سیاق وسباق:۔

جب شاکرہ نے دایہ کو گھر سے نکال دیا اور دایہ کے پاس دل بہلانے کے لیئے کوئی کام نہ رہا تو اُس نے حج کا ارادہ کر لیا اور کچھ دن بعد محلے کے چند لوگوں کے ساتھ دہلی اسٹیشن پر پہنچ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اسی دوران صابر حسین بھی دایہ کو ڈھونڈتے ہوئے اسٹیشن آپہنچے اور دایہ کو بتایا کہ تم تو حج پر جا رہی ہو اور نصیر میاں کی حالت بے حد خراب ہے۔ وہ بیمار ہے، نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، ہر وقت تمہیں یاد کر کے روتا رہتا ہے۔

تشریح:۔

اس اقتباس میں منشی پریم چند نے بتایا ہے کہ جب صابر حسین نے دایہ کو نصیر میاں کی بیماری کا بتایا تو دایہ بہت پریشان ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے گویا بینائی ختم ہوگئی۔ پھر اس نے خلوصِ دل سے اُس معصوم بچے کے لیئے دعا کی کہ اے اللہ! نصیر کو کچھ بھی نہ ہو، چاہے اس کے بدلے میری جان چلی جائے لیکن اس معصوم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دایہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے اس کے گلے سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ پھر وہ اپنے آپ سے کہنے لگی کہ میں بھی کتنی پتھر دل ہوں کہ وہ چھوٹا سا بچہ میرے لیئے رو رو کر تڑپتا رہا اور مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں اُسے دیکھنے چلی جاتی۔ بے شک بچے کی ماں شاکرہ بہت بداخلاق اور بدمزاج تھی لیکن معصوم بچے نے تو مجھے کوئی دکھ نہیں دیا تھا۔ اس معصوم بچے کا تو کوئی قصور نہ تھا کہ میں اُس کی ماں کا بدلہ اُس بچے سے لیکر گھر سے ہی نکل آئی۔ اے خدا! تُو میرے اس گناہ کو معاف فرما۔ معصوم بچہ میری جدائی کے غم میں بیمار پڑ چکا ہے، یہ خیال آتے ہی عباسی کا دل غمزدہ ہو گیا اور آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگی مجھے اُس معصوم کی اس بے پناہ محبت کا اندازہ نہ تھا ورنہ میں اسکی ماں کی ہر جلی کٹی برداشت کرتی اور اسکی جوتیاں کھا کر بھی اس گھر سے کبھی نہ نکلتی۔ ہائے افسوس! مجھے نہیں معلوم کہ وہ بے چارا میرے بغیر کس حال میں ہوگا۔

ولادت: ۱۹۱۴ء
وفات: ۱۹۹۹ء

تعارف: میرزا ادیب

میرزا ادیب کا اصل نام دلاور علی ہے۔ ان کا خاندان کوئی علمی خاندان نہ تھا۔ بچپن کا زمانہ غربت اور تنگدستی میں گزرا۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کی ملاقات اختر شیرانی اور حافظ محمود شیرانی سے ہوئی، ان ملاقاتوں نے آپ کے ادبی ذوق کو اُبھارا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ نے اردو کے مشہور رسالے "ادبِ لطیف" کی ادارت سنبھالی اور طویل عرصے تک اس کے ساتھ وابستہ رہے۔ آپ نے رومانی داستانوں، افسانوں، ڈراموں اور غزل و نظم پر طبع آزمائی کی ہے۔ "صحرانورد کے خطوط" آپ کا ابتدائی کارنامہ ہے، جس میں رومانی فضا ملتی ہے، مگر آپ کی شہرت کا دارومدار آپ کے "یک بابی" ڈراموں پر ہے۔ میرزا ادیب موضوعات کے لیئے مواد اپنے گرد و پیش سے لیتے ہیں۔ آپ نے اپنے افسانوں اور ڈراموں میں رومانی فضا پیدا کرنے کے باوجود کسی نہ کسی سماجی اور معاشرتی مقصد کی ترجمانی کی ہے۔

نمایاں تصانیف:-

صحرانورد کے خطوط، لہو اور قالین، خوابوں کے مسافر آنسو اور تارے، ستون، پسِ پردہ، ماموں جان۔

ڈرامہ: دستک

فرہنگ

نقاہت	کمزوری
تاہم	پھر بھی
یکایک	اچانک
ناغہ	چھٹی
خواہ مخواہ	بلاوجہ
جنبش دینا	حرکت دینا
فرض شناسی	فرض کو پہچاننا
گاؤ تکیہ	موٹا تکیہ

"معروضی سوالات"

- درست جواب پر ✓ لگائیں۔

۱۔ میرزا ادیب کا اصل نام ۔۔۔۔۔۔ تھا۔ ۱۔ دلاور علی ۲۔ حیدر علی

۲۔ آپ کا خاندان کوئی ۔۔۔۔۔۔ خاندان نہ تھا۔ ۱۔ امیر ۲۔ علمی

۳۔ آپ اردو کے مشہور رسالہ ۔۔۔۔۔۔ کے مدیر تھے ۱۔ ادبِ لطیف ۲۔ اردو ادب

۴۔ سبق "دستک" صنف کے لحاظ سے ۔۔۔۔۔ ہے۔ ۱۔ ناول ۲۔ ڈرامہ

۵۔ ڈرامہ "دستک" کے مصنف ۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ ۱۔ میرزا ادیب ۲۔ میرزا مسرور

۶۔ ڈاکٹر زیدی دروازے پر ۔۔۔۔۔ کی آواز سنتے تھے ۱۔ دستک ۲۔ فقیر

۷۔ ڈاکٹر زیدی کی عمر ۔۔۔۔۔ سال کے لگ بھگ تھی۔ ۱۔ چالیس ۲۔ پینتالیس

۸۔ دروازے پر ۔۔۔۔۔ رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ۱۔ نیلے ۲۔ پیلے

۹۔ اگر ڈاکٹر بھی کسی ۔۔۔۔۔ کا شکار ہو جائے تو پھر اس کے علم کا کیا فائدہ
۱۔ وہم ۲۔ بیماری

۱۰۔ ڈاکٹر برہان اس بڑے میاں کا ۔۔۔ تھا ۱۔ پوتا ۲۔ بیٹا

۱۱۔ وہ بوڑھا تو چلا گیا مگر اب کبھی کبھی آپ کا ۔۔۔۔۔ دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔
۱۔ پڑوسی ۲۔ ضمیر

"مشق"

س ۱: ڈاکٹر زیدی دروازے پر جو دستک سنتے تھے، اُس کی اصل وجہ کیا تھی؟

ج: ڈاکٹر زیدی دروازے پر جو دستک سنتے تھے، اُس کی اصل وجہ اُن کے ضمیر کی ملامت تھی۔ کیونکہ تقریباً بیس سال پہلے ایک بوڑھا آدمی ان کے پاس آ کر منت سماجت کرنے لگا کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہے، آپ میرے ساتھ جا کر اسے دیکھ لیں۔ مگر ڈاکٹر زیدی نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور اس بوڑھے کو گھر سے نکال دیا تھا۔ بوڑھا ساری رات دروازے پر دستک دیتا رہا مگر ڈاکٹر زیدی نے کوئی توجہ نہ دی جبکہ بوڑھے کا بیٹا ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا تھا۔

س ۲: دستک کے سلسلے میں ڈاکٹر زیدی اور بیگم زیدی کے درمیان جو مکالمے ہوئے اُن کا خلاصہ تحریر کریں۔

ج: خلاصہ: ڈاکٹر زیدی نے اپنی بیگم سے کہا کہ جا کر دیکھو شاید کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ بیگم زیدی کہتی ہیں کہ میں نے تو کوئی دستک نہیں سنی۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ صاف آواز آ رہی ہے اگر تم نہیں جانا چاہتی تو میں خود جا کر دیکھ آتا ہوں۔ بیگم کہتی ہے کہ یہ تیز ہوا کا شور ہے۔ تو ڈاکٹر زیدی کہتا ہے کہ تیز ہوا دروازے پر دستک تو نہیں دیا کرتی، تم جا کر دیکھو تو آؤ۔ بیگم مجبوڑا اٹھتی ہے اور دیکھ آتی ہے کہ دروازے پر کوئی نہیں ہوتا۔ تو اس وقت بیگم انہیں کہتی ہے کہ یہ آپ کا وہم ہے۔ آپ ڈاکٹر ہو کر بھی وہم کرتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۳: اس ڈرامے سے آپ کون سا اخلاقی سبق اخذ کرتے ہیں؟

ج: میرزا ادیب کے ڈرامے "دستک" سے ہم یہ اخلاقی سبق اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے اور ہر انسان کو اپنے پیشے کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے۔ خاص طور پر ڈاکٹر کا پیشہ بڑا مقدس ہے کیونکہ اس کا کام زندگی بچانا ہے، اس لیئے ڈاکٹر کو چاہیئے کہ وہ اپنے آرام کو بالائے طاق رکھ کر ہر وقت مریضوں کی خدمت کے لیئے تیار رہے۔

س ۴: اس ڈرامے سے وہ جملہ تلاش کریں، جس میں اس کا مرکزی خیال پوشیدہ ہے؟

ج: اس ڈرامے کا مرکزی خیال ڈاکٹر برہان کے اس جملے میں پوشیدہ ہے۔

"وہ بوڑھا تو چلا گیا، مگر اب کبھی کبھی آپ کا ضمیر دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔"

س ۵: مندرجہ ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کریں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

الفاظ	جملے
فرض شناس	فرض شناس انسان کبھی ناکام نہیں ہوتا۔
نقاہت	نقاہت کے باعث مریض کے لیئے دو قدم چلنا بھی مشکل تھا۔
دستک	دروازے پر دستک سن کر میں نے دروازہ کھولا تو باہر میرا دوست آیا ہوا تھا۔
تاہم	میں نے اپنے دوست کو نشہ جیسی لعنت سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی، تاہم اس نے میری ایک نہ سُنی۔
جنبش	جج اپنے قلم کی ایک جنبش سے ملزم کو رِہا بھی کر سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔
چونکہ	احمد چونکہ ماں باپ کا لاڈلا بیٹا ہے، اس لیئے اُس کے مزاج میں ضد اور سرکشی بہت ہے۔
البتہ	امجد میرا قریبی دوست تو نہیں ہے البتہ میری اس سے اچھی سلام دعا ہے۔

س ۶: ذومعنی الفاظ سے کیا مراد ہے؟ کوئی سے پانچ ذومعنی الفاظ اور ان کے معنی لکھیں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ج: **ذومعنی الفاظ**:-

وہ الفاظ جن کے دو مختلف معنی ہوں، ذومعنی الفاظ کہلاتے ہیں

۱۔ ماہ = معنی ۱: چاند، معنی ۲: مہینہ ۲۔ عہد = معنی ۱: وعدہ، معنی ۲: زمانہ

۳۔ عالم = معنی ۱: جہاں، معنی ۲: حالت ۴۔ مہر = معنی ۱: سورج، معنی ۲: محبت

۵۔ ملکہ : معنی ۱: مہارت ، معنی ۲: بادشاہ کی بیوی

س ۷ ۔ جملے درست کریں۔

۱۔ وہ آبِ زمزم کا پانی لایا ہے۔

درست: وہ آبِ زمزم لایا ہے۔

۲۔ پاکستان دن بدن ترقی کر رہا ہے۔

درست: پاکستان روز بروز ترقی کر رہا ہے۔

۳۔ میں نے لاہور جانا ہے۔

درست: مجھے لاہور جانا ہے۔

۴۔ ہمارا قومی زبان اردو ہے۔

درست: ہماری قومی زبان اردو ہے۔

۵۔ خوشحال خان خٹک پشتو زبان کی شاعر تھا۔

درست: خوشحال خان خٹک پشتو زبان کے شاعر تھے۔

س ۸: مندرجہ ذیل الفاظ میں سے مذکر، مؤنث الگ کریں۔

ج: مذکر الفاظ:-

کمبل، مطالعہ، پردہ، رسالہ، بیگ، ناغہ

مؤنث الفاظ:-

دستک، جُنبش، شکایت، بارش

جنید مسعود

ولادت : ۱۸۸۳ء
وفات : ۱۹۴۷ء

تعارف : فرحت اللہ بیگ

فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ مولوی نذیر احمد سے عربی پڑھی اور بی۔ اے تک تعلیم دہلی سے حاصل کی۔ پہلے حیدر آباد دکن میں محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی، پھر عدلیہ نے ان کی خدمات حاصل کر لیں اور جج کے عہدے تک ترقی پائی۔ سرکاری ملازمت اور مصروف زندگی کے باوجود وہ علمی اور ادبی سرگرمیوں کے لیئے وقت نکالتے تھے۔ اُن کی وجۂ شہرت اُن کے مزاحیہ مضامین ہیں۔ ان کی تحریروں سے زندہ دلی جھلکتی ہے۔ ان کا اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ ان کی زبان دلّی کی ٹکسالی زبان ہے۔

فرحت اللہ کو شخصی خاکے لکھنے میں کمال حاصل ہے۔ وہ خاکوں میں ایسا ڈرامائی انداز اپناتے ہیں، جو ان کے کردار کی متحرک تصویر پڑھنے والے کے سامنے لے آتا ہے۔ انہوں نے "نذیر احمد کی کہانی، کچھ میری کچھ اُن کی زبانی" میں مولوی نذیر احمد کا جو خاکہ کھینچا ہے، وہ اردو ادب کا شاہکار ہے۔

نمایاں مضامین:۔

۱. دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ
۲. پھول والوں کی سیر
۳. نئی اور پرانی تہذیب کی ٹکر
۴. نذیر احمد کی کہانی، کچھ میری کچھ ان کی زبانی

سبق : غلام

فرہنگ

ملغوبہ	ملی جلی چیزوں کا انبار	منہ چلنا	کھاتے رہنا
موئے	کم بخت	کارساز	کام بنانے والا
گُدی	گردن کا پچھلا حصہ	صلواتیں	گالیاں
گُدی ہونا	مار پڑنا	ٹس سے مس نہ ہونا	کوئی اثر نہ ہونا
قضاوقدر	تقدیر	باپ پر پوت پتا پر	اولاد میں ماں
ٹانٹ	کھوپڑی	گھوڑا، بہت نہیں	باپ کی کوئی نہ کوئی
طمانچہ	تھپڑ	تو تھوڑا تھوڑا	عادت آ ہی جاتی ہے

معروضی سوالات

درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیں۔

۱. فرحت اللہ بیگ ...... میں پیدا ہوئے۔ ۱✓ دہلی ۲. بنارس

۲. فرحت اللہ بیگ نے ...... سے عربی پڑھی۔ ۱. سرسید ۲✓. نذیر احمد

۳. آپکی وجۂ شہرت آپ کے ...... ہیں۔ ۱✓ مزاحیہ مضامین ۲. افسانے

۴. ...... لکھنے میں آپ کو کمال حاصل ہے۔ ۱. مضمون ۲✓ شخصی خاکے

۵. اُن کی زبان دہلی کی ...... زبان ہے۔ ۱. سرکاری ۲✓. ٹکسالی

۶. فرحت اللہ بیگ کا سبق ...... شاملِ نصاب ہے۔ ۱✓ غلام ۲. قومی اتفاق

۷. ہوتے ہوتے میری نظر کا ...... ہوگیا۔ ۱✓ شہرہ ۲. چرچا

۸. اِس کان سنو، اُس کان ...... ۱. نکال دو ۲✓. اڑا دو

۹. میں ٹس سے ...... نہ ہوتا۔ ۱✓ مس ۲. بس

۱۰. اِدھر غلہ بڑھا، اُدھر ان کی ...... بڑھی۔ ۱. بھوک ۲✓. چوری

۱۱. یقین مانیئے گا کہ ہر وقت اس کا منہ ...... ۱✓ چلتا تھا ۲. سوچتا تھا

۱۲. بیگم صاحبہ نے مجھے بھی ...... پر بٹھا لیا ۱. کرسی ۲✓ دسترخوان

۱۳. ماما جی بچہ سمجھ کر میرے سامنے ...... باندھنے میں ذرا احتیاط کم کرتی تھیں۔

۱✓ پوٹلی ۲. سامان

۱۴. جمعہ کے جمعہ ہماری ٹانٹ گھونٹ کر ...... کا پیڑا بنا دی جاتی تھی۔

۱. آٹے ۲✓ باجرے

۱۵. چھلے کے عوض جی ماما نے مجھے دو ...... لا کر دیئے۔

۱✓ لڈو ۲. گلاب جامن

۱۶. آخر میں نے بھی بے حیائی کا ...... پہن لیا۔ ۱. لبادہ ۲✓ جامہ

۱۷. ابھی بیگم صاحبہ پٹاری میں ...... دیکھ کر کوٹھے پر گئی ہیں۔ ۱. زیور ۲✓ چھپا کلی

۱۸. اب کیا تھا، مجھے تو ...... کی چاٹ پڑ گئی ۱✓ لڈوؤں ۲. مٹھائی

۱۹. گھورنا اکثر میرے لیئے ...... ثابت ہوا ہے۔ ۱✓ مفید ۲. نقصان دہ

مشق

س ۱: متن کے حوالے سے خالی جگہ پُر کریں۔
ج: معروضی سوالات ملاحظہ کریں۔

س ۲: غلام صاحبِ خانہ کے گھر کیسے پہنچا؟
ج: فرحت اللہ بیگ نے اپنے سبق "غلام" میں بتایا ہے کہ غلام کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور اس کے ماں باپ کون ہیں۔ جب غلام چھوٹا تھا تو ایک عورت اسے گود میں لیئے پھرتی تھی، پھر وہ عورت بھی غائب ہو گئی اور کسی نے غلام کو سڑک کے کنارے ایک مکان میں لا بٹھایا۔ جہاں سے اُسے صاحبِ خانہ ضروری کاغذی کاروائی کے بعد اپنے گھر لے آئے۔

س ۳: پہلے دن غلام کے دسترخوان پر کھانا کھانے کی کیفیت اپنے الفاظ میں بیان کریں۔
ج: فرحت اللہ بیگ نے اپنے سبق "غلام" میں بتایا ہے کہ پہلے دن بیگم صاحبہ نے غلام کو بھی سب کے ساتھ دسترخوان پر بٹھا لیا۔ کھانے بہت مزیدار تھے اور غلام بھوکا بھی تھا، اِس لیئے اُس نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی کھا لیا۔ جس کی وجہ سے اُسے بدہضمی ہو گئی اور علاج کے بعد وہ بمشکل ٹھیک ہوا۔

س ۴: کھانے کے بارے میں صاحبِ خانہ کی بچی کس مزاج کی تھی؟
ج: فرحت اللہ بیگ نے اپنے سبق "غلام" میں بتایا ہے کہ صاحبِ خانہ کی بچی کھانے پینے کی بہت شوقین تھی۔ ہر وقت اُس کا منہ چلتا رہتا تھا۔ جب بھی چھابڑی والا گلی میں سے گزرتا تو کچھ نہ کچھ اُس سے

خرید کر ضرور کھاتی تھی۔ جب کھانے پر بیٹھتی تو سب سے آخر میں اُٹھتی تھی۔ زیادہ کھانے کی وجہ سے ہر وقت اُس کا پیٹ پھولا رہتا تھا اور اکثر دست کی بیماری میں مبتلا رہتی تھی۔

س ۵: غلام کھانے کو گھورتا تو اِس کا اُسے کیا فائدہ ملتا تھا؟

ج: فرحت اللہ بیگ نے اپنے سبق "غلام" میں بتایا ہے کہ گھورنا غلام کے لیئے اکثر مفید ثابت ہوتا تھا۔ کیونکہ گھر بھر میں یہ مشہور تھا کہ غلام کی نظر لگ جاتی ہے۔ اِس لیئے جب بھی غلام کسی کھانے والے کو گھورتا تو نظر لگنے کے ڈر سے کھانے والا غلام کو بھی کچھ نہ کچھ دے دیا کرتا تھا۔ چنانچہ دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہ تھی جو گھر میں آتی ہو اور غلام کو اُس میں سے کچھ حصہ نہ ملتا ہو۔

س ۶: غلام کے سر پر اُسترا پھرتا تو گھر والے اُس سے کیا سلوک کرتے تھے؟

ج: فرحت اللہ بیگ نے اپنے سبق "غلام" میں بتایا ہے کہ ہر جمعہ کو غلام کے سر پر اُسترے کا پھرنا کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا تھا۔ غلام گھر میں جس کے پاس سے گزرتا وہ اُس کے سر پر ایک چانٹا ضرور رسید کرتا تھا۔ مارنے والے کو تو مزا آتا مگر غلام کا سر چکرا کر رہ جاتا، اور بعض اوقات تو بڑے صاحب بھی مذاق میں چلتے چلتے ایک دو چانٹے مار دیا کرتے تھے

س ۷: جب ماما گھر میں آئی تو دسترخوان پر چیزیں کیوں کم ہونے لگیں؟

ج: فرحت اللہ بیگ نے اپنے سبق "غلام" میں بتایا ہے کہ جب ماما گھر میں آئی تو دسترخوان پر چیزیں کم ہونے لگیں تھیں، کیونکہ وہ ہر روز بہت سا دال آٹا اپنی پوٹلی میں باندھ کر گھر لے جاتی تھی۔ روزانہ پوٹلی کھلوا کر تلاشی لینا ممکن نہ تھا، اس لیئے اُسے چوری کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی تھی۔

س ۸: ماما کی بیٹی کیسے پکڑی گئی؟

ج: فرحت اللہ بیگ نے اپنے سبق "غلام" میں بتایا ہے کہ جب پولیس نے ماما کو پوٹلی سمیت رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو ماما نے چیخ چیخ کر اور رو رو کر سارا محلہ سر پر اٹھا لیا۔ یہ چیخنا چلانا اُس کی بیٹی کے لیے نوٹس تھا کہ چوری کا مال لیکر کہیں غائب ہو جائے۔ بیٹی ماں کا اشارہ سمجھ کر مال کے ساتھ گھر سے نکل ہی رہی تھی کہ دوسرے سپاہی نے اُسے مال سمیت پکڑ کر ماں کے برابر لا کھڑا کیا۔

س ۹: بے سہارا بچوں سے برا سلوک کیا جائے تو اُن میں کیسی عادتیں پروان چڑھتی ہیں؟

ج: بے سہارا بچوں سے برا سلوک کیا جائے تو اُن میں مجرمانہ عادتیں پروان چڑھتی ہیں۔ وہ جھوٹ کے عادی بن جاتے ہیں اور چوری چکاری کرنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ گھر کے نوکروں کے ساتھ مل کر صاحبِ خانہ کو مالی نقصان پہنچاتے ہیں۔

س ۱۰: مندرجہ ذیل محاورات کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ مطلب واضح ہو جائے۔

محاورات	جملے
نوبت آنا	اگر وہ دل لگا کر محنت کرتا تو امتحان میں فیل ہونے کی ہرگز نوبت نہ آتی۔
شہرہ ہونا	مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات کا ہر طرف بہت شہرہ ہے۔
ٹس سے مس نہ ہونا	ارسلان اتنا ضدی اور سرکش ہو چکا ہے کہ سمجھانے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتا، بس اپنی ہی منواتا ہے۔
ناک میں دم کر دینا	شرارتی بچے نے سارے محلے کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔
جھاڑو پھیر دینا	موقع ملتے ہی نوکر نے سارے گھر میں جھاڑو پھیر دیا۔
صلواتیں سنانا	چوری کا الزام ثابت نہ ہو سکا تو نوکرانی نے سب گھر والوں کو خوب صلواتیں سنائیں
بپھر جانا	بات بات پر بے جا بپھر جانا تو اسلم کی پرانی عادت ہے۔
اودھم مچانا	شرارتی لڑکوں نے استاد کی غیر موجودگی میں کلاس میں وہ اودھم مچایا کہ خدا کی پناہ!

س ۱۱: جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی تعریف کریں، نیز مبتدا اور خبر کا فرق واضح کریں۔

ج: جملہ اسمیہ:
وہ جملہ جس میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں اور فعلِ ناقص بھی آئے، جملہ اسمیہ کہلاتا ہے۔ مثلاً عدنان ذہین ہے۔

نوٹ: جملہ اسمیہ کے فاعل کو مبتدا اور صفت کو خبر کہتے ہیں۔

جملہ فعلیہ: جس جملے میں مسند الیہ اسم اور مسند فعل ہو، جملہ فعلیہ کہلاتا ہے۔
مثلاً عدنان جاگا۔

س : سیاق وسباق کا حوالہ دے کر عبارت کی وضاحت کریں۔

عبارت :-

جمعہ کے جمعہ ہماری ٹانٹ گھونٹ کر باجرے کا پیڑا بنا دی جاتی تھی۔ ذرا بالوں کی کھونٹیاں نکلیں اور اُسترا پھرا۔ اُسترے کا پھرنا قیامت ہوتا تھا۔ جس کے پاس سے نکلے اسی نے چانٹا رسید کیا۔ کچھ گھٹی ہوئی ٹانٹ پر چانٹا ایسا پڑتا ہے کہ سبحان اللہ! چھینٹیں اُڑ جاتی ہیں ۔ مارنے والے کو مزا آتا ہو تو آتا ہو، میرا تو بعض وقت سر بھنا جاتا تھا اور تو اور بڑے سرکار بھی مذاق میں چلتے چلتے دو ایک چانٹے ضرور رسید کر دیا کرتے تھے۔

حوالۂ متن :-

یہ عبارت فرحت اللہ بیگ کے مضمون "غلام" سے لی گئی ہے۔

سیاق وسباق :-

یہ ایک یتیم اور لاوارث بچے کی کہانی ہے جسے ایک مالدار آدمی نے سڑک کے کنارے ایک مکان سے لا کر اپنے گھر میں رکھا ہے۔ گھر میں اس کی حیثیت ایک غلام کی سی ہے۔ اسے پیٹ بھر کر کھانے کے لیئے نہیں دیا جاتا۔ سب اُس کو بلاوجہ مارتے پیٹتے رہتے ہیں اور اُس سے بہت زیادہ کام لیتے ہیں۔ وہ مار کھا کھا کر ڈھیٹ بن جاتا ہے اور کام سے جان چھڑانے لگتا ہے۔ گھر کی چھوٹی بچی بہت چالاک ہے، وہ خود ہی غلام کو مارتی ہے اور خود ہی رونے بیٹھ جاتی ہے۔ غلام اُسے مار تو نہیں سکتا لیکن اس کی ماں سے چغل خوری کر کے اُس کی پٹائی کرا دیتا ہے۔

تشریح :-

اس عبارت میں مصنف نے بتایا ہے کہ غلام کے ساتھ گھر والوں کا سلوک اچھا نہ تھا۔ ہر جمعہ کو غلام کا سر اُسترے سے رگڑ کر مونڈ دیا جاتا تھا۔ اور مونڈا ہوا سر اس طرح نظر آتا تھا جیسے کسی نے باجرے کے دانوں کو پیس کر اور گوندھ کر ایک بڑا سا پیڑا بنا کر اُس کے سر پر رکھ دیا ہو ۔ جب چھ سات دن میں چھوٹے چھوٹے بال نکل آتے تو پھر اُس کا سر اُسترے سے صاف کر دیا جاتا۔ اُسترے سے مُونڈا ہوا سر غلام کے لیئے ایک مصیبت بن جاتا تھا کیونکہ وہ گھر میں جس کے قریب سے بھی گزرتا، وہی اس کے گنجے سر پر ایک زور دار چانٹا مارا کرتا تھا۔ گھر کے سب لوگ اپنی تفریح کے لیئے اس کے سر پر چانٹے مارتے تھے اور اُسترے سے مُونڈے ہوئے سر پر چانٹا اس زور سے پڑتا تھا کہ کچھ نہ پوچھیئے۔ گھر کے لوگوں کو چانٹا مارنے میں ضرور لُطف آتا ہوگا مگر غلام کو چانٹے سے اس قدر درد اور تکلیف ہوتی تھی کہ اس کا سر دُکھ جاتا اور دماغ گھومنے لگتا تھا۔ اور کافی دیر تک اُسے اپنا ہوش ہی نہیں رہتا تھا۔ اور سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ تھی کہ گھر کا مالک بھی کبھی کبھی پاس سے گزرتے ہوئے اُسے مذاق میں ایک دو تھپڑ ضرور مارا کرتا تھا۔ الغرض ہر جمعہ کو غلام کے لیئے سر پر اُسترے کا پھرنا کسی قیامت سے کم نہ ہوتا تھا۔

ولادت : ۱۹۰۰ء
وفات : ۱۹۷۰ء

تعارف : امتیاز علی تاج

امتیاز علی تاج لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام شمس العلماء مولوی ممتاز علی اور والدہ کا نام محمدی بیگم تھا۔ تاج صاحب نے لاہور میں تعلیم حاصل کی، علمی اور ادبی ذوق ورثے میں ملا۔ زمانۂ طالب علمی میں انہوں نے ایک رسالہ "کہکشاں" کے نام سے جاری کیا جو ادبی لحاظ سے اپنے زمانے کا بہترین اور معیاری رسالہ تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی ڈرامیٹک سوسائٹی کے سرگرم رکن ہونے کی وجہ سے انہیں ڈرامے میں بہت دلچسپی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ صرف ۲۲ سال کی عمر میں انہوں نے اپنا مشہور ڈرامہ "انارکلی" لکھا۔ یہ ڈرامہ ایک رومانی المیہ ہے اور فنی اعتبار سے اس کا معیار مغربی ڈراموں سے کسی طرح کم نہیں۔

تاج صاحب نے کئی ڈراموں، ناولوں اور افسانوں کے ترجمے بھی کیئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزاح کے میدان میں "چچا چھکن" ان کی بہترین تصنیف ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سلیس اور رواں ہے۔ ان کے بعض ڈرامے اور کہانیاں انگریزی ادب سے ماخوذ ہیں مگر وہ اس خوبصورتی سے مقامی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں کہ ترجمہ یا اخذ شدہ معلوم نہیں ہوتے۔

تاج صاحب ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء کو فوت ہوئے اور لاہور میں دفن ہوئے۔

ڈرامہ آرام وسکون

فرہنگ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
حرارت	بخار	نغمہ سرائی	گیت گانا
مطلق	ہرگز	علیل	بیمار
زچ	تنگ	کراہنا	ہائے ہائے کرنا
تقویت	طاقت	تردد	فکر
مضر	نقصان دہ	سقا	پانی بھرنے والا
کسر	کمی	مقوی	قوت بخش

معروضی سوالات

درست جواب پر ✓ لگائیں۔

۱۔ امتیاز علی تاج ...... میں پیدا ہوئے۔ ۱۔ لاہور ۲۔ دہلی
۲۔ آپ نے زمانہ طالب علمی میں رسالہ ...... جاری کیا ۱۔ جہان نما ۲۔ کہکشاں
۳۔ آپ کے مشہور ڈرامے کا نام ...... ہے۔ ۱۔ انارکلی ۲۔ چمپا کلی
۴۔ ڈرامہ انارکلی آپ نے ...... برس کی عمر میں لکھا۔ ۱۔ ۲۲ ۲۔ ۳۰
۵۔ مزاح کے میدان میں ...... آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ ۱۔ چارلی چپلن ۲۔ چچا چھکن
۶۔ ڈرامہ آرام وسکون کے مصنف ...... ہیں۔ ۱۔ امتیاز علی تاج ۲۔ مرزا ادیب
۷۔ اس ڈرامے میں گھریلو ملازم کا نام ...... ہے۔ ۱۔ بلو ۲۔ للو
۸۔ تردد کی کوئی بات نہیں، میں نے بہت اچھی طرح ...... کر لیا ہے۔ ۱۔ آپریشن ۲۔ معائنہ

۹۔ مریض کے کمرے میں ...... نہیں ہونا چاہیئے۔ ۱۔ شور و غل ۲۔ دھواں

۱۰۔ ان دنوں آپ کے شوہر غالباً ...... بہت زیادہ کرتے ہیں۔ ۱۔ آرام ۲۔ کام

۱۱۔ آپ نے ...... کو ٹنے کو کہا تھا وہ گودام میں ڈھونڈ رہا تھا۔ ۱۔ ریٹھے ۲۔ مرچیں

۱۲۔ ننھا عید کے روز ...... میں سے کھلونا گاڑی لایا تھا۔ ۱۔ بازار ۲۔ میلے

۱۳۔ ارے نامراد ریٹھے پھر کوٹ لینا، پہلے اس ...... کو رخصت تو کر دے۔
۱۔ مہمان ۲۔ فقیر

مشق

س ۱: ڈاکٹر صاحب نے بیگم صاحبہ کو مریض کی دیکھ بھال کے سلسلے میں کیا ہدایات دیں؟

ج: امتیاز علی تاج نے اپنے ڈرامے "آرام و سکون" میں بتایا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے بیگم صاحبہ کو مریض کی دیکھ بھال کے سلسلے میں یہ ہدایات دیں کہ مریض کو دوا سے زیادہ آرام اور سکون کی ضرورت ہے، اس لیئے مریض کے کمرے میں شور و غل نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ خاموشی اعصاب کو ایک طرح کی تقویت دیتی ہے۔

س ۲: صاحبِ خانہ کو اپنے گھر میں آرام و سکون کیوں نہ مل سکا؟

ج: امتیاز علی تاج نے اپنے ڈرامے میں بتایا ہے کہ صاحبِ خانہ کو اپنے گھر میں آرام و سکون اس لیئے نہ مل سکا کہ گھر میں شور و غل بہت زیادہ تھا۔ سب سے زیادہ شور صاحبِ خانہ کی بیوی کرتی تھی اور بار بار خاوند کے کمرے میں آتی تھی جس سے صاحبِ خانہ کے آرام میں خلل واقع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ نوکر کا کمرے میں آ کر جھاڑو دینا، ٹیلی فون کی گھنٹی کا بار بار بجنا، نوکر کا ریٹھے کوٹنا اور بچے کا کھلونا گاڑی چلانا بھی بہت زیادہ شور پیدا کرتا تھا۔

س ۳: صاحبِ خانہ نے آرام کے لیئے گھر کی نسبت دفتر کو کیوں ترجیح دی؟

ج: تاج صاحب نے اپنے ڈرامے "آرام و سکون" میں بتایا ہے کہ صاحبِ خانہ نے آرام کے لیئے گھر کی نسبت دفتر کو اس لیئے ترجیح دی کہ گھر میں شور و غل بہت زیادہ تھا۔ بیوی بار بار کمرے میں آتی تھی۔ کبھی نوکر ریٹھے کوٹنے لگتا تھا تو کبھی فقیر خیرات کی صدا لگاتا تھا۔ اور چونکہ دفتر میں اس قسم کا کوئی شور نہیں ہوتا اس لیئے صاحبِ خانہ نے شور سے بچنے کے لیئے دفتر میں آرام کرنے کو ترجیح دی۔

س ۴: اس ڈرامے سے بیگم صاحبہ کی شخصیت کے کون کون سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں؟

ج: امتیاز علی تاج کے اس ڈرامے سے بیگم صاحبہ کی شخصیت کے یہ پہلو نمایاں ہوتے ہیں کہ بیگم صاحبہ ایک گھریلو قسم کی عورت ہے۔ جسے اپنے میاں کے آرام کی فکر تو ہے مگر اپنی عادت سے مجبور ہو کر وہ بار بار میاں کے کمرے میں آتی رہتی ہے

اور کوئی نہ کوئی بات کرکے میاں کے آرام میں خلل ڈالتی ہے۔ اس کے علاوہ بیگم صاحبہ کی شخصیت کا یہ پہلو بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ مزاج کی بھی ذرا سخت ہے کیونکہ کبھی تو وہ بچے کو ڈانٹتی ہے اور کبھی نوکر پر غصہ کرتی رہتی ہے۔

س ۵: مذکر استعمال ہونے والے اور مونث استعمال ہونے والے الفاظ الگ کریں۔

ج: مذکر الفاظ:

آرام ، وعدہ ، درد ، پیغام

مونث الفاظ:

تاکید ، ضرورت ، مہربانی ، خاموشی ، جھاڑو ، قیامت

س ۶: محاورہ:- دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا وہ مجموعہ جو اہل زبان کا مرتب کردہ ہو اور جس کے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی مراد لیے جائیں محاورہ کہلاتا ہے مثلاً قسم کھانا، دل سے اترنا، سر پر چڑھنا

س: کوئی سے پانچ محاورے لکھ کر جملوں میں استعمال کریں۔

محاورات	جملے
نو دو گیارہ ہونا	پولیس کو دیکھتے ہی چور نو دو گیارہ ہو گیا۔
آب آب ہونا	اپنے فیل ہونے کی خبر سن کر عامر ندامت سے آب آب ہوگیا
رال ٹپکنا	انگور دیکھ کر لومڑی کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔
ہوائی قلعے بنانا	ہمیں ہوائی قلعے بنانے کی بجائے عملی کام کرنا چاہیئے۔
ناک میں دم کرنا	شرارتی بچے نے سارے محلے کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔

س ۷: خالی جگہوں میں درست حروف کا استعمال کریں۔

الف: حسان نے نعمان سے کہا۔

ب: مصباح الحق نے فقیر کو روٹی دی۔

ج: نوید نے عرفان کے بھائی کو بلایا۔

د: میں اصغر کی ملاقات کو گیا تھا۔

ہ: مریم نے لاہور جانا ہے۔

س ۸: اس ڈرامے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

ج: **خلاصہ:**

اس ڈرامے میں امتیاز علی تاج نے بتایا ہے کہ جب ڈاکٹر صاحب خانہ کا معائنہ کر لیا تو بیگم صاحبہ سے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے، ان کو صرف تھکاوٹ کی وجہ سے بخار ہوا ہے جو آرام کرنے سے اتر جائے گا۔ بیگم صاحبہ نے دوا کے بارے میں پوچھا تو ڈاکٹر نے بتایا کہ دوا کی ضرورت نہیں ہے بس مریض کے کمرے میں شور وغل نہیں ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد بیگم، اپنے میاں کو آرام سے لیٹا رہنے کی تاکید کرتی ہے اور میاں کو کہتی ہے کہ اگر اُسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا کر بلا لے، مگر گھنٹی میز پر نہیں ملتی۔ تو نوکر کو کوسنے دیتی ہے اور اونچی آواز میں بولتی رہتی ہے۔ اتنے میں پانی بھرنے والا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو بیگم اسے وہیں سے ڈانٹنا شروع کر دیتی ہے۔ میاں اس شور سے تنگ آ کر کہتا ہے کہ گھنٹی اس نے خود انگیٹھی پر رکھ دی تھی کیونکہ بچہ اُسے بار بار بجا رہا تھا۔ اب بیوی کو میاں کی خوراک کا خیال آتا ہے، وہ ڈاکٹر کی تجویز کی ہوئی خوراک کے بارے میں میاں سے مشورہ شروع کر دیتی ہے۔ ابھی بیوی کی باتیں ختم نہیں ہوتیں کہ چھوٹا بچہ اپنی کھلونا گاڑی پٹ پٹ چلانے لگتا ہے۔ بیوی جا کر اُسے ڈانٹتی ہے تو وہ زور زور سے رونے لگتا ہے۔ اسی دوران نوکر کمرے میں آ کر جھاڑو دینا شروع کر دیتا ہے، میاں اسے ڈانٹتا ہے اور کمرے سے باہر جانے کو کہتا ہے۔ ابھی نوکر باہر جاتا ہی ہے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔ میاں بیوی کو بلاتا ہے مگر وہ اپنے کام دھندے میں لگی ہوتی ہے۔ مجبوراً میاں خود اٹھ کر فون اٹھاتا ہے تو دوسری طرف بیوی کی کوئی سہیلی بیوی سے بات کرنا چاہتی ہے، میاں بیوی کو بلانے سے معذوری ظاہر کرتا ہے اور غصے سے فون بند کر دیتا ہے۔ اتنے میں ہمسائے کا لڑکا بے سُری آواز میں گانا گانے لگتا ہے اور باہر دروازے پر ایک بھکاری صدا لگا کر خیرات کا تقاضا شروع کر دیتا ہے، ساتھ ہی نوکر ہاون دستے میں ریٹھے کوٹنا شروع کر دیتا ہے۔ تو صاحب خانہ کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور وہ اپنی ٹوپی اور شیروانی لے کر آرام و سکون کی تلاش میں دفتر کا رُخ کرتا ہے۔

ولادت: ۱۹۲۰ء
وفات: ۲۰۰۰ء

تعارف : شفیق الرحمٰن

شفیق الرحمٰن قلعہ نور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالرحمٰن خان تھا ۱۹۴۲ء میں کنگ ایڈورڈز میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر کے فوج میں بھرتی ہوئے اور میجر جنرل کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ انہوں نے ملازمت کے دوران انگلستان میں اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی۔

آپ اپنی طنزیہ و مزاحیہ تحریروں کی وجہ سے ادبی دنیا میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ کی نمایاں خصوصیت آپ کی ظرافت ہے۔ آپ کے افسانوں کا پہلا مجموعہ کرنیں کے نام سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔

شفیق الرحمٰن کے افسانوں میں پیچیدگی بالکل نہیں ہوتی۔ آپ کے افسانوں میں بے ساختگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ آپ کا مشاہدہ وسیع، تحریر سادہ اور دلنشین ہے۔ انسانی فطرت کی کمزوریوں پر آپ کی بہت گہری نظر ہے اور آپ اسی سے مزاح کا کوئی پہلو تلاش کر لیتے ہیں۔ اور اُسے اِس طرح تحریر میں لاتے ہیں کہ پڑھنے والا ان حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

یہ عظیم افسانہ نگار اور مزاح نگار ۱۹ مارچ ۲۰۰۰ء کو اس دنیا سے رخصت ہوا۔

تصانیف: کرنیں، شگوفے، لہریں، پرواز، حماقتیں، مزید حماقتیں، مدوجزر

سبق : نیلی جھیل

فرہنگ

مجرد	اکیلا	کڑے دن	دشوار وقت
مجرب	آزمایا ہوا	تبصرے	تنقید
خنک	ٹھنڈا	نخلستان	کھجور کے درختوں کا جھنڈ
بے بہرہ	محروم	حسب توفیق	توفیق کے مطابق
محض	صرف	طبلہ نواز	طبلہ بجانے والا
اسرار	راز	بندہ نواز	غلام کو عزت دینے والا
رفع ہونا	دور ہو جانا	بنسی	مچھلی پکڑنے کی ڈور

معروضی سوالات

درست جواب پر ✓ لگائیں۔

۱۔ شفیق الرحمٰن کے والد کا نام ...... تھا۔ ا۔ عبدالرحمٰن خان ۲۔ رحمٰن بابا

۲۔ شفیق الرحمٰن کی نمایاں خصوصیت اُن کی ...... ہے۔ ا۔ ذہانت ۲۔ ظرافت

۳۔ آپ کے افسانوں میں ...... بالکل نہیں ہوتی۔ ا۔ پیچیدگی ۲۔ سادگی

۴۔ آپ کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ...... کے نام سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔
ا۔ کرنیں ۲۔ حماقتیں

۵. سبق نیلی جھیل کے مصنف .... ہیں۔	ا۔ کرنل محمد خان	۲۔ شفیق الرحمٰن	
۶۔ یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب روفی کے ...... پر بجلی گری۔	ا۔ مکان	۲۔ دانت	
۷۔ روفی .... سے بہت ڈرتے تھے۔	ا۔ اندھیرے	۲۔ بجلی	
۸۔ اس کم بخت ..... نے ہماری نیند اڑا رکھی تھی۔	ا۔ امتحان	۲۔ گرمی	
۹۔ میں اور روفی ..... کی طرح کمرے میں داخل ہوئے۔	ا۔ پاگلوں	۲۔ مجرموں	
۱۰۔ ہم ہر اتوار ...... کے کنارے گزارتے۔	ا۔ دریا	۲۔ جھیل	
۱۱۔ ہماری خریدی ہوئی مچھلیاں اس رات ..... نے کھائیں۔	ا۔ بلیوں	۲۔ مہمانوں	
۱۲۔ شفیق الرحمٰن کا سالِ ولادت ...... ہے۔	ا۔ ۱۹۲۰	۲۔ ۱۹۳۰	
۱۳۔ جھیل کے ..... پانی پر ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی	ا۔ شفاف	۲۔ نیلے	
۱۴۔ بادلوں کا بنا ہوا وہ حسین محل ..... کا بن گیا۔	ا۔ سونے	۲۔ سنگِ مرمر	

مشق

س ا: جب بادل آتے تو روفی بستروں میں کیوں چھپتے پھرتے تھے؟
ج: ڈاکٹر شفیق الرحمٰن نے اپنے سبق "نیلی جھیل" میں بتایا ہے کہ روفی میاں چونکہ بجلی سے بہت ڈرتے تھے، اس لیئے جب بھی بادل آتے تو وہ بستروں میں چھپتے پھرتے تھے تاکہ بجلی اُن پر نہ گرے۔

س ۲: نیلی جھیل کی خوبصورتی کا منظر اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔
ج: ڈاکٹر شفیق الرحمٰن نے بتایا ہے کہ نیلی جھیل کا منظر بے حد دلکش تھا۔ جھیل کے شفاف اور نیلے پانی پر ہلکی ہلکی دُھند چھائی ہوئی تھی۔ جھیل کے کناروں پر پھولدار بیلیں اور پودے جھکے ہوئے تھے اور بے شمار تتلیاں اُڑ رہی تھیں۔ جھیل کا دوسرا کنارہ بہت دور تھا اور کبھی کبھار ہی دکھائی دیتا تھا۔ جب آسمان صاف ہوتا تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دوسرے کنارے پر خوبصورت محل اور سرسبز باغ بنے ہوئے ہیں۔

س ۳: چھوٹی سفید بلی کی ذہانت کا کوئی واقعہ تحریر کریں۔
ج: ڈاکٹر شفیق الرحمٰن نے اپنے سبق "نیلی جھیل" میں بتایا ہے کہ چھوٹی سفید بلی بہت ذہین تھی، گھر کے بڑے کمرے کے وسط میں ایک قالین بچھا ہوا تھا، جس کا کچھ حصہ جل گیا تھا اور بدنما معلوم ہوتا تھا۔ جب بھی گھر میں مہمان آتے تو سفید بلی کو قالین کے جلے ہوئے حصے پر بٹھا دیا جاتا۔ اب اُسے لاکھ بہلاؤ، پھسلاؤ اور پیار کرو لیکن وہ اُس وقت تک اِس جگہ پر بیٹھی رہتی جب تک مہمان چلے نہ جاتے۔

س۴: مچھلی والا حساب لیکر گھر آیا تو مصنف اور روفی گھر کے لوگوں کے مذاق کا نشانہ کیوں بنے؟

ج: جب مچھلی والا حساب لیکر گھر آیا تو مصنف اور روفی گھر والوں کے مذاق کا نشانہ اس لیئے بنے کہ وہ دونوں بازار سے ادھار مچھلیاں خرید کر لاتے تھے اور گھر والوں کو یہ کہتے تھے کہ ہم نے یہ مچھلیاں جھیل سے پکڑی ہیں۔ اس لیئے جب مچھلی والا حساب لے کر گھر آیا تو اُن کا پول کھل گیا کہ انہوں نے جھیل سے کبھی مچھلیاں نہیں پکڑیں بلکہ بازار سے اُدھار لاتے رہے ہیں۔

س۵: ماسٹر صاحب نے بچوں سے کیا کیا سوال پوچھے اور بچوں نے کیا جواب دیئے؟

ج: ماسٹر صاحب کے ہر سوال کا بچوں نے اوٹ پٹانگ جواب دیا۔ مثلاً ماسٹر صاحب نے روفی سے پوچھا کہ تمہیں کس نے بنایا ہے؟ تو روفی نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا کہ "اتنا تو مجھے خدا نے بنایا ہے، اُس کے بعد میں خود بڑا ہوا ہوں"۔ پھر مصنف سے پوچھا کہ آسٹریلیا کہاں ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ "جغرافیے کے پچاسویں صفحے پر"۔ ماسٹر صاحب نے پھر پوچھا کہ حروفِ اضافت کیا ہوتے ہیں؟ تو مصنف نے جواب دیا کہ "حروفِ اضافت وہ ہوتے ہیں جو اضافہ کرتے ہیں اور جنہیں پڑھ کر کچھ اور حروف یاد آجاتے ہیں"۔

لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س۶: مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ و تراکیب	جملے
عظیم الشان	بادشاہی مسجد کا شمار عظیم الشان مساجد میں ہوتا ہے۔
حسبِ معمول	فواد آج بھی حسبِ معمول دیر سے سکول آیا۔
حوصلہ افزائی	پرنسپل صاحب نے ذہین طلباء کی حوصلہ افزائی کے لیئے اُن میں انعامات تقسیم کیئے۔
جہاندیدہ	قائداعظم ایک جہاندیدہ وکیل اور سیاستدان تھے۔
حسبِ توفیق	ہمیں حسبِ توفیق غریبوں کی مدد کرنی چاہیئے۔

س۷: جملے کے اجزائے ترکیبی کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔

ج: جملے کے دو بڑے اجزا ہوتے ہیں، جن میں ایک تعلق پایا جاتا ہے، یہ تعلق کلام کو پورا کرتا ہے اور سننے والے کو جملے میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اس تعلق کو "اسناد" کہتے ہیں۔
جملے میں جس شخص یا چیز کے بارے میں کچھ کہا جائے اُسے "مسندالیہ" کہتے ہیں اور جو کچھ کہا جائے اُسے "مسند" کہتے ہیں۔ مثلاً فواد نیک ہے۔ عدنان لکھتا ہے۔
ان دونوں مثالوں میں فواد اور عدنان مسندالیہ ہیں اور نیک ہے، "لکھتا ہے" مسند ہیں۔

س۸: جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کا فرق مثالوں سے واضح کریں۔

ج: جملہ اسمیہ:- جس جملے میں مسندالیہ اور مسند دونوں اسم ہوں اور فعل ناقص بھی آئے، وہ جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ مثلاً فواد نیک ہے۔
جملہ فعلیہ:- جس جملے میں مسندالیہ اسم ہو اور مسند فعل ہو، وہ جملہ فعلیہ ہوتا ہے۔
مثلاً فواد کھیلتا ہے۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س: سیاق و سباق کا حوالہ دے کر عبارت کی وضاحت کریں۔

عبارت:

رستم پڑھا لکھا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ ہمارا ہاتھ بٹائے گا اور حساب کے سوال نکال دیا کرے گا۔ اس کے بعد دیر تک بڑوں پر تبصرے ہوتے رہے کہ یہ مزے کرتے ہیں۔ ------ پھر ہمارا امتحان ہوا۔ ہمیں کچھ اور بتایا گیا تھا، لیکن پرچے کچھ اور ہی آئے۔ چنانچہ ہم کچھ اور ہی لکھ آئے۔ بس فیل ہوتے ہوتے بچے۔ ہر ایک نے ہمیں حسب توفیق ڈانٹا۔

حوالہ متن: یہ عبارت ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کے سبق "نیلی جھیل" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق:

مصنف کہتے ہیں کہ حسب معمول ہم اس اتوار کو بھی مچھلیاں پکڑنے جھیل گئے لیکن کچھ نہ ملا تو بازار سے مچھلیاں خرید کر گھر لے آئے، گھر میں کوئی نہ تھا اس لیئے ساری مچھلیاں بلیوں نے ہڑپ کر دیں۔ اس کے بعد اتوار کو جھیل پر گئے اور بازار سے مچھلیاں خرید کر لائے تو وہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں بھیج دی گئیں۔ پھر ایک روز مچھلی والا حساب لے کر گھر آیا تو ہمارا راز کھل گیا۔ ہمیں ہدایت دی گئی کہ ہم جھیل پر جانے کے بجائے پڑھائی پر توجہ دیں اور اضافی محنت کریں کیونکہ امتحان قریب آ رہا ہے۔ یہ سن کر ہم پریشان ہوگئے۔ رستم نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو ہم نے اسے زائد کام کے بارے میں بتایا۔

تشریح:

اس عبارت میں مصنف شفیق الرحمٰن بتاتے ہیں کہ جب ہمیں جھیل پر جانے سے روک دیا گیا اور امتحان کی وجہ سے زائد کام کرنے کو کہا گیا تو ہم پریشان ہوگئے۔ ہم نے اس پریشانی کا ذکر رستم سے کیا۔ رستم چونکہ تعلیم یافتہ انسان تھا اس لیئے اس نے ہم سے یہ وعدہ کیا کہ وہ پڑھائی میں ہماری مدد کرے گا اور ریاضی کے سوال حل کرا دیا کرے گا۔ پھر اس کے بعد گھر کے بڑوں کے بارے میں بحث چھڑ گئی کہ وہ بڑے آرام اور مزے سے زندگی گزار رہے ہیں، پڑھائی اور ٹیوشن کی مصیبت سے بھی آزاد ہیں اور ان پر صبح سویرے اٹھنے کی پابندی بھی نہیں ہے۔ ان کی تمام آزمائشیں، امتحانات اور مشکل دن گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ چند دن بعد ہمارا امتحان شروع ہوگیا۔ جب پرچہ ہمارے سامنے آیا تو ہم حیران رہ گئے کہ جو کچھ ہمیں تیاری کرائی گئی تھی، وہ تو پرچوں میں سرے سے آیا ہی نہیں تھا۔ لہذا ہم نے اپنا یاد کیا ہوا پرچوں میں نہیں لکھا بلکہ اندازے سے کچھ اور ہی لکھ ڈالا اور جب نتیجہ آیا تو ہم سب بمشکل پاس ہوئے تھے اور اس خراب کارکردگی پر سب گھر والوں نے ہمیں بری طرح ڈانٹ ڈپٹ کی۔

جنید مسعود

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ولادت : [illegible]
وفات : ۱۹۹۹ء

تعارف : کرنل محمد خان

کرنل محمد خان ضلع جہلم کے ایک گاؤں چکوال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی اور میٹرک پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اسی دوران دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی، چنانچہ آپ ۱۹۴۰ء میں فوج میں بھرتی ہوئے کچھ عرصہ وزیرستان میں مصروفِ کار رہے، پھر مشرقِ وسطیٰ اور برما کے محاذوں پر بھی رہے۔ ۱۹۶۵ء میں رن کچھ کے محاذ پر نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ آپ کرنل کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے اور راولپنڈی میں مستقل رہائش اختیار کی۔

کرنل محمد خان اردو زبان کے صاحبِ طرز مزاح نگار ہیں۔ زبان و بیان پر انہیں پوری قدرت حاصل ہے۔ سادگی، روانی، حقیقت نگاری اور جزئیات نگاری ان کی تحریر کی خاص خوبیاں ہیں۔ فوجی ملازمت کے دوران اُن کے مشاہدے میں جو کچھ آیا، وہ اُسے ایک اچھے مزاح نگار کی حیثیت سے اپنے ذہن میں محفوظ کرتے رہے۔ بعد میں انہی مشاہدات کو جب اُنہوں نے اپنے دلکش اور شگفتہ انداز میں قلم بند کیا تو اُن کی پہلی کتاب "بجنگ آمد" بن گئی۔

تصانیف :- بجنگ آمد، بسلامت روی، بزم آرائیاں

سبق : سفارش طلب

فرہنگ

سرد مہری	بے رخی
تمہید	آغاز
یورش	حملہ
عارضہ	بیماری
خویش	اپنا
اقرباء	رشتہ دار
پاجی	شریر، کمینہ
یکسر	ایک دم
مے	شراب
یاس	مایوسی
رسائی	پہنچ
مستحسن	قابلِ تعریف

لونڈے	ناتجربہ کار لڑکے
گلوخلاصی	جان چھڑانا
معانقہ	گلے ملنا
امرت دھارا	آبِ حیات، دوائی کا نام
عساکر	افواج
خاکسار	عاجز
لنگوٹیا یار	بچپن کا دوست
گتھم گتھا	لڑائی
زچ کرنا	تنگ کرنا
خویش پروری	اپنوں کو نوازنا
قلع قمع کرنا	جڑ سے ختم کرنا
کج کلاہ	مغرور

معروضی سوالات

درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیے۔

۱۔ سبق سفارش طلب کے مصنف ...... ہیں۔ ۱۔ کرنل محمد خان ۲۔ کرنل احمد خان

۲۔ کرنل محمد خان ضلع جہلم کے گاؤں ...... میں پیدا ہوئے۔ ۱۔ سیالکوٹ ۲۔ چکوال

۳۔ آپ نے ...... کے محاذ پر نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ ۱۔ رن کچھ ۲۔ کشمیر

۴۔ کرنل محمد خان اردو کے صاحب طرز ...... ہیں۔ ۱۔ ادیب ۲۔ مزاح نگار

۵۔ آپ کی پہلی کتاب کا نام ...... ہے۔ ۱۔ بسلامت روی ۲۔ بجنگ آمد

۶۔ آغا میرے ...... دوست ہیں۔ ۱۔ بے تکلف ۲۔ بے وفا

۷۔ آغا اپنی ...... کے لیئے بدنامی کی حد تک مشہور ہیں۔ ۱۔ اصول پرستی ۲۔ نفس پرستی

۸۔ تم نے اپنے مولوی زادے کی سفارش نہیں کی کہ اسے ...... بھرتی کر لو۔
۱۔ کلرک ۲۔ چپڑاسی

۹۔ سفارش کے ...... مکھی، مچھر یا چوہے نہیں پھیلاتے۔ ۱۔ کیڑے ۲۔ جراثیم

۱۰۔ چند سفارش طلب ...... کی تکنیک استعمال کرتے ہیں۔ ۱۔ بلیک میل ۲۔ رشوت

۱۱۔ کلامِ اقبال ہر جگہ ...... کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ۱۔ آبِ حیات ۲۔ امرت دھارا

۱۲۔ معلوم ہوا کہ جناب نے ...... کے لیئے بڑی بے نظیر کتاب لکھی ہے۔
۱۔ نوجوانانِ پاکستان ۲۔ عساکرِ پاکستان

۱۳۔ کتاب کا ہدیہ فقط ...... روپے فی جلد ہے۔ ۱۔ پندرہ ۲۔ دس

۱۴۔ ایک دفعہ میں لاہور میں معمولی سا ...... بن گیا۔ ۱۔ افسر ۲۔ ٹیچر

۱۵۔ ...... فقط قائداعظم کے لیئے ہے اور ہمارا کام صرف دنیا داری ہے۔
۱۔ دیانت داری ۲۔ دین داری

مشق

س ۱: سبق کے متن کو مدنظر رکھ کر درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیں۔

الف: مصنف آغا سے اس لیئے ناراض تھے کہ:
★ ان کی سفارش ٹھکرا دی گئی تھی۔
★ ان کے ساتھ سرد مہری کا سلوک کیا گیا۔
★ ڈاکے میں مصنف نے ان کا ساتھ نہ دیا۔

ب: ایک سفارش طلب کے بقول پاکستان چلانے کی ذمہ داری:
★ افسر شاہی پر ہے۔ ★ عوام الناس پر ہے۔
★ دانشوروں پر ہے۔ ★ اللہ تعالیٰ پر ہے۔

ج: سفارش طلب سے نبٹنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ:
★ اسے ٹکا سا جواب دے کر رخصت کر دیا جائے۔

* فیاضی سے جھوٹ بول کر اُسے خوش کیا جائے ۔
* اس کو چور سمجھ کر خوب بے عزت کیا جائے ۔
* اس کی سفارش مان لی جائے ۔

س ۲: مصنف کے دوست آغا نے سفارش کو ڈاکا ڈالنے کے مترادف کیوں کہا ہے؟
ج: مصنف کے دوست آغا نے سفارش کو ڈاکا ڈالنے کے مترادف اس لیئے کہا ہے کہ جیسے ڈاکا ڈال کر کسی کا حق چھینا جاتا ہے اسی طرح سفارش کے ذریعے بھی کسی حق دار کا حق چھین کر کسی غیر حقدار شخص کو دے دیا جاتا ہے۔ ایک حق دار کو اس کے جائز حق سے محروم کرنا کسی طرح بھی ڈاکا ڈالنے سے کم نہیں۔

س ۳: سفارش طلب کی بلیک میلنگ کا کیا انداز ہوتا ہے؟
ج: مصنف کرنل محمد خان نے بتایا ہے کہ سفارش طلب کی بلیک میلنگ کا انداز کچھ یوں ہوتا ہے کہ وہ بڑی بے تکلفی سے آپ کے گھر آتا ہے اور سلام کر کے گلے ملنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ بچوں کو نام سے بلا کر گود میں اٹھا لیتا ہے، اپنی عمر کے مطابق بھابھی یا بیٹی کا مزاج دریافت کرتا ہے اور اگر وہ باہر نہیں آتیں تو حیرت سے کہتا ہے کہ ارے مجھ سے کیسا پردہ؟ اور اگر آپ اُن سے اُن کا مزاج پوچھ لیں تو وہ اپنے مزاج کے علاوہ اپنے گھر کے لوگوں اور گھر کے کتے کا مزاج بھی بیان کر دیتے ہیں اور آپ کے تمام رشتہ داروں کے تازہ کوائف بھی پیش کر دیتے ہیں اور ابھی آپ حیرت سے اُن کا منہ تک رہے ہوتے ہیں کہ وہ سفارش پیش کر دیتے ہیں

س ۴: مصنف نے سفارش طلبوں سے نبٹنے کا کیا طریقہ بتایا ہے؟
ج: مصنف کرنل محمد خان نے اپنے سبق "سفارش طلب" میں بتایا ہے کہ سفارش طلبوں سے نبٹنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اُسے چور سمجھا جائے اور اُس کے ساتھ چوروں جیسا سلوک کیا جائے۔ جُوں ہی اُس کے منہ سے سفارش کا کلمہ نکلے تو آپ "چور ہے، چور ہے" چلّانا شروع کر دیں۔ ہمسائے اکٹھے کر لیں اور فون کر کے پولیس کو اطلاع دے دیں۔ اگر سفارش طلب بھاگنے کی کوشش کرے تو اُس سے گتھم گتھا ہو جائیں اور اسکی پگڑی یا ٹوپی نوچ لیں۔

س ۵: کرشن چندر کا سفارش طلبوں سے نبٹنے کا طریقہ کیوں کر غلط ہے؟
ج: مصنف کے دوست کرشن چندر ہر سفارش طلب سے جھوٹا وعدہ کر لیتے تھے کہ میں آپ کو یقین دہانی کراتا ہوں کہ آپ کا کام ضرور ہو جائے گا۔ اُن کا یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ یقین دہانی کرانے کے باوجود جب سفارش طلب کا کام نہیں ہوگا تو اُس سے سو جھوٹ بولنے پڑیں گے اور مفت کی پریشانی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیئے صاف کہہ دینا چاہیئے کہ ہم کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔

س۶: سبق "سفارش طلب" سے ہمیں کیا اخلاقی سبق ملتا ہے؟
ج: مصنف کرنل محمد خان کے سبق "سفارش طلب" سے ہمیں یہ اخلاقی سبق ملتا ہے کہ سفارش ایک بہت بڑی لعنت ہے، جس کے باعث مستحق اور حقدار آدمی اپنے جائز حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ سفارش کی برائی کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ اور بے چینی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اس لیئے ہمیں اپنا اثرورسوخ استعمال کر کے نا اہل لوگوں کو مستحق لوگوں کی جگہ لینے میں مدد نہیں کرنی چاہیئے۔

س۷: سیاق وسباق کا حوالہ دے کر مندرجہ ذیل اقتباسات کی وضاحت کریں۔

الف:
سادہ لفظوں میں اس فلسفے کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان کو چلانے کی تمام ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ دیانت داری فقط قائداعظم کے لیئے ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔ آخر پھاٹک پر پہنچ کر خندہ پیشانی سے خداحافظ کہیں اور پھاٹک سے باہر کر دیں۔ لازم نہیں کہ اس عمل میں فقط ہاتھوں سے کام لیں۔

متن کا حوالہ:
یہ اقتباس کرنل محمد خان کے سبق "سفارش طلب" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:
کچھ سفارش طلب بلیک میلنگ کے عجیب طریقے آزماتے ہیں۔ آتے ہی بڑی بے تکلفی سے ہاتھ ملا کر گلے ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گھر والوں کی خیر خیریت پوچھتے ہیں۔ جب آپ اُن کا مزاج پوچھتے ہیں تو وہ اپنا، اپنے گھر کے لوگوں بلکہ کتے کا حال بھی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ابھی آپ حیرت سے سنبھل بھی نہیں پاتے کہ وہ جھٹ سے سفارش پیش کر دیتے ہیں۔ ملک وقوم کے بارے میں سوچنے والے کو دیوانہ کہتے ہیں۔ اُن کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ پاکستان کا اللہ مالک ہے، وہی اس کو چلائے گا۔ ہم نے تو دنیاداری نبھانی ہے، ہم قائداعظم تو نہیں کہ ہر کام دیانت داری سے کریں۔

وضاحت:
اس عبارت میں کرنل محمد خان کہتے ہیں کہ آسان الفاظ میں سفارش طلبوں کے اس فلسفے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ملک پاکستان کو قائم دائم رکھنے اور احسن انداز سے چلانا اللہ پاک کے ذمے ہے کیونکہ یہ ملک اُسی کے نام پر بنا تھا۔ اور جہاں تک دیانت داری اور ایمان داری کی بات ہے تو یہ خوبی صرف قائداعظم کے ساتھ خاص تھی۔ اور ہمارا کام تو صرف دنیاداری نبھانا ہے اور دنیاداری بھی صرف تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ چوری، رشوت اور اپنوں کو نوازنا۔ آگے مصنف بتاتے ہیں کہ اس قسم کے سفارش طلبوں سے جان چھڑانے کا ایک ہی بہترین طریقہ ہے کہ آپ اُن کی بات سننے کے بعد مسکراتے ہوئے اُن کو بازو سے پکڑیں

اور انہیں گھر کے باہر والے دروازے تک لے جائیں۔ اور ایسا کرنے میں اگر انہیں کھینچنے یا گھسیٹنے کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی گریز نہ کریں۔ اور گھر کے باہر والے دروازے پر پہنچ کر مسکراتے چہرے کے ساتھ انہیں خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر دھکیل دیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسا کرنے میں آپ صرف ہاتھوں سے ہی کام لیں بلکہ ضرورت پڑنے پر ایک لات بھی ماری جا سکتی ہے۔

عبارت: سفارش طلب سے نپٹنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اُسے چور سمجھا جائے اور اُس کے ساتھ چور کا سا سلوک کیا جائے ------------ اگر پاکستان میں اس طرح کے دو تین واقعات ہو جائیں اور اخباروں میں چھپ جائیں یا ٹی وی پر دکھائے جائیں تو وطنِ عزیز سے سفارش کا چار دن میں قلع قمع ہو جائے۔

متن کا حوالہ:
یہ اقتباس کرنل محمد خان کے سبق "سفارش طلب" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:
کرشن چندر ایک دفعہ لاہور میں معمولی ٹیچر لگ گیا، لیکن گاؤں میں مشہور ہو گیا کہ وہ پروفیسر بن گیا ہے۔ چنانچہ سفارشوں کا تانتا بندھ گیا۔ سب سے پہلے اس کا ایک ہم جماعتی سفارش کرانے آیا، جسے اُس نے جھوٹی تسلی دیکر رخصت کر دیا اُس کے بعد مصنف کا پڑوسی اپنے بیٹے کی سفارش لے کر آیا کہ میرے بیٹے نے امتحان دیا ہے لیکن تاریخ کا پرچہ ذرا خراب ہوا ہے۔ کرشن چندر نے اُسے بھی تسلی دی اور بعد میں بتایا کہ آپ کے بیٹے کا پرچہ بہت خراب ہوا ہے لہٰذا پاس ہونا ممکن نہیں۔ مگر نتیجہ آنے پر وہ پاس ہو گیا تو بیٹے کا باپ کرشن چندر پر بہت برہم ہوا۔

وضاحت:
اس اقتباس میں کرنل محمد خان سفارش طلبوں سے چھٹکارا پانے کی ترکیب بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب کوئی سفارش لے کر آجائے تو اُس سے نجات پانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ اُسے چور ڈاکو تصور کر کے اُس کے ساتھ چوروں جیسا برتاؤ کریں اور جیسے ہی وہ سفارش کی بات اپنے منہ سے نکالے تو آپ سر پر ہاتھ رکھ کر چور چور چلانا شروع کر دیں اور اتنا شور کریں کہ سب پڑوسی بھی جمع ہو جائیں۔ اور اگر فون آپ کے پاس ہو تو جلدی سے تھانے کا نمبر ملا کر پولیس کو بھی خبر کر دیں کہ ایک چور چوری کرنے آیا ہے۔ بلکہ آگ بجھانے والے عملے کو بھی بلانے کی کوشش کریں اور سائرن بجا بجا کر سب لوگوں کو ہوشیار کر دیں۔ اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو آپ اُس سے چمٹ جائیں اور اُس سے ہاتھا پائی کریں۔ اگر آپ اُسے پکڑ نہ سکیں تو اس کی ٹوپی یا پگڑی ضرور کھینچ لیں اور پھر اُسے خوب بدنام کریں۔ آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ اگر اس طرح کے چند واقعات ہو جائیں اور اس کی خبر اخبارات میں شائع ہو جائے یا ٹی وی پر بریکنگ نیوز بنا کر دکھائی جائے تو مجھے امید ہے کہ

کچھ ہی عرصے میں اس پیارے وطن سے سفارش کی لعنت ہمیشہ کے لیئے ختم ہو جائے گی۔

س ۸: مندرجہ ذیل محاورات کو جملوں میں استعمال کریں۔

محاورات	جملے
آوارد ہونا	آج صبح میں نے ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا تھا کہ میرا ایک دُور کا رشتہ دار آ وارد ہوا۔
ماتھا ٹھنکنا	ماں نے بچے کو بے وقت سکول سے گھر آتا دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔
آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا	نوکر نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ یہ کام میرے فرائض میں شامل نہیں
منہ پھلانا	خاور معمولی معمولی باتوں پر منہ پھلا کر بیٹھ جاتا ہے۔
رن پڑنا	گھمسان کا رَن پڑنے کے بعد آخر مجاہدین نے میدان مار لیا۔
محشر بپا ہونا	والد کی وفات پر نعمان کے گھر میں ایک محشر سا بپا تھا۔
گتھم گتھا ہونا	دکاندار اور مقروض گاہک دیکھتے ہی دیکھتے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

س ۹، مندرجہ ذیل الفاظ کے مترادف لکھیں۔

الفاظ	مترادف	الفاظ	مترادف	الفاظ	مترادف
فعل	عمل	ندامت	پشیمانی	عارضہ	بیماری
تمہید	آغاز	یورش	حملہ	خویش	اقرباء
درخواست	عرضی	ہمسایہ	پڑوسی	تلوار	شمشیر

س ۱۰، جملے درست کریں

۱۔ نیکی کر سمندر میں ڈال۔ — درست، نیکی کر دریا میں ڈال۔

۲۔ وہ غصے سے زرد پیلا ہو گیا۔ — درست: وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔

۳۔ وہ بے ناغہ سکول جاتی ہے۔ — درست، وہ بلاناغہ سکول جاتی ہے۔

۴۔ میں آپ کا تابعدار ہوں۔ — درست، میں آپ کا فرماں بردار ہوں۔

۵۔ یہ ماہِ رمضان کا مہینہ ہے۔ — درست: یہ رمضان کا مہینہ ہے۔

"جنید مسعود"

تعارف : نظیر اکبر آبادی

ولادت : ۱۷۳۵ء
وفات : ۱۸۳۰ء

نظیر اکبر آبادی کا اصل نام ولی محمد تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید محمد فاروق تھا۔ نظیر پیشے کے لحاظ سے معلم تھے۔ انہیں عوامی شاعر کہا جاتا ہے موجود دور کے نقاد انہیں پہلا ترقی پسند شاعر مانتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کو جس حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا ہے، اُس کی مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی۔

اُن کی شاعری اُس دور کی سیاسی افراتفری، معاشی بدحالی اور اخلاقی اقدار کی بے قدری کی سچی تصویر پیش کرتی ہے۔ وہ مقامی زندگی کی عکاسی کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ منظر نگاری ان کے کلام کی نمایاں خوبی ہے۔

مذہبی تہوار ہوں یا میلے، بندر والے کا تماشا ہو یا ریچھ والے کا، سماجی محفلیں ہوں یا شادی بیاہ کی مجلسیں، پتنگ بازی، کبوتر بازی، جوانی، بڑھاپا، لڑکپن، غرض ہر موضوع پر خوب لکھا ہے۔ نظیر سے پہلے اردو شاعری صرف مجازی محبوب کے حسن و جمال کا طواف کرتی تھی مگر انہوں نے اس روایت کو توڑ کر عوامی زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

آخری عمر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے اگست ۱۸۳۰ء کو فوت ہوئے۔

یادگار تصنیف : کلیاتِ نظیر

نظم : برسات کی بہاریں

فرہنگ

بوند	قطرہ	جھمجھماوٹ	چمک دمک
پکھیرو	پرندہ	معطر	خوشبودار
پنکھ	پَر	نقارہ	بڑا ڈھول
تاب	طاقت	پپیہا	سریلی آواز والا پرندہ
دھج	انداز	واں	وہاں
رٹنا	دہرانا	تن	جسم

"معروضی سوالات"

درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیے۔

۱۔ نظیر اکبر آبادی کا اصل نام ...... تھا۔ ا۔ ولی محمد ۲۔ علی محمد
۲۔ نظیر پیشے کے لحاظ سے ...... تھے۔ ا۔ کلرک ۲۔ معلم
۳۔ نظیر کو ...... شاعر کہا جاتا ہے۔ ا۔ عوامی ۲۔ درباری
۴۔ نظم برسات کی بہاریں ...... ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ ا۔ مسدس ۲۔ مخمس
۵۔ ہیں اس ہوا میں کیا کیا ...... کی بہاریں ا۔ برسات ۲۔ ساون
۶۔ بجلی چمک رہی ہے بادل ...... رہے ہیں ا۔ گرج ۲۔ برس

۷۔ کیا کیا ...... یارو برسات کی بہاریں ہیں ا۔ مچی ہیں ۲۔ بسی ہیں
۸۔ تیتر پکارتے ہیں .... ا۔ سبحان تیری قدرت ۲۔ سبحان تیری عظمت
۹۔ ہوتے ہیں سیکڑوں کے .... ا۔ سر اوپر پاؤں نیچے ۲۔ سر نیچے پاؤں اوپر
۱۰۔ گر گر کسی کے کپڑے ...... میں ہیں معطر ا۔ دلدل ۲۔ کیچڑ

س ۲: اس نظم میں بہت سی تشبیہات استعمال ہوئی ہیں۔ آپ اپنی پسند کی دو تشبیہات لکھیں
ج: تشبیہ 1 : بوندوں کی جھمجھاوٹ، قطرات کی بہاریں
وضاحت: اس مصرعے میں شاعر نے بوندوں کی چمک کو قطروں کی بہار سے تشبیہ دی ہے

تشبیہ ۲: بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں۔ اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں
وضاحت: اس شعر میں شاعر نے بادلوں کی گرج کو نقارے کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔

س ۳: اس نظم میں کس کس پرندے کی کون کون سی آواز کا ذکر آیا ہے۔
ج:

پرندہ	آواز
تیتر	سبحان تیری قدرت
قمری	کُو کُو
پپیہا	پی پی
ہُدہُد	حق حق
فاختہ	ہُو ہُو
بگلا	تُو تُو

س ۴: کیچڑ میں پھسلنے کی کیفیت اپنے الفاظ میں بیان کریں۔
ج: برسات کے موسم میں زیادہ بارشوں کی وجہ سے زمین پر پھسلن اور کیچڑ بہت ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے راہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ کیچڑ میں جب کسی کا پاؤں پھسل جائے تو وہ خود کو سنبھال نہیں پاتا۔ اس کے کپڑے اور پگڑی ٹوپی کیچڑ میں لت پت ہو جاتی ہے اور سارا چہرہ بھی کیچڑ سے گندا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ یوں پھسلتے ہیں کہ ان کا سر نیچے اور پاؤں اوپر ہو جاتے ہیں۔

س ۵: ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں، اسے مخمس کہا جاتا ہے۔ اس نظم کو کیا کہا جاتا ہے جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں؟

ج: وہ نظم جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں، مسدس کہلاتی ہے۔

نظم کا خلاصہ

اس نظم میں نظیر اکبر آبادی نے بڑے خوبصورت انداز میں برسات کے دلکش مناظر کا ذکر کیا ہے۔ نظیر کہتے ہیں کہ جب موسمِ برسات کی پہلی بارش ہوتی ہے تو ہر چیز نکھر جاتی ہے اور چرند پرند، پھولوں اور پودوں میں ایک نئی تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ باغوں میں ہر طرف سبزہ لہلہاتا نظر آتا ہے، خوبصورت اور خوشبودار پھول کھلنے لگتے ہیں۔ بارش برستے وقت بجلی بار بار چمکتی ہے اور بادلوں کی گرج دار آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ اور لوگ موسم برسات کی خوشیوں اور بہاروں میں مگن دکھائی دیتے ہیں۔ پرندے بھی اس سہانے موسم سے لطف اندوز ہو کر خدا کی حمد کے ترانے گاتے نظر آتے ہیں۔ قمری، فاختہ، ہُدہُد اور بٹیر اپنی اپنی بولی میں اللہ کی تعریف اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے زمین پر ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو جاتا ہے جس کے باعث راہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر کسی کا پاؤں پھسل جائے تو اس کے لیئے اپنی پگڑی سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ کیچڑ میں گرنے والوں کے نہ صرف کپڑے خراب ہو جاتے ہیں بلکہ منہ بھی کیچڑ میں لت پت ہو جاتا ہے۔ اور بعض لوگ تو اس انداز سے پھسل کر گرتے ہیں کہ ان کا سر نیچے اور پاؤں اوپر ہو جاتے ہیں۔ میرے دوستو! یہ سب برسات کے کرشمے ہیں۔

اشعار کی تشریح

① ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں — سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھماوٹ، قطرات کی بہاریں — ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو! برسات کی بہاریں

تشریح:

شاعر نظیر اکبر آبادی اپنی نظم کے پہلے بند میں موسم برسات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ برسات کی پہلی بارش کے بعد گرمی کا زور ٹوٹ چکا ہے اور موسم بہت خوبصورت اور خوشگوار ہو چکا ہے۔ برسات کا موسم ایک نئی بہار لے کر آیا ہے اور اس بہار کا اثر ٹھنڈی ہوا میں واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس موسم میں سبزہ بھی خوشی سے جھوم رہا ہوتا ہے، باغوں میں ہر طرف خوبصورت اور خوشبودار پھول کھلنے لگتے ہیں اور باغات کی رونق میں اضافہ کر رہے ہوتے ہیں۔ بارش کے قطرے چھم چھم کی آواز پیدا کر کے زمین پر گرتے ہیں اور سورج کی شعاعوں کی وجہ سے چمک رہے ہوتے ہیں۔ بارش کے ان قطروں کے گرنے سے ہر طرف موسم بہار کا سا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگ بارش کی خوشی منا رہے ہوتے ہیں اور موج مستی میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس لیئے اے میرے دوستو! ذرا دیکھو کائنات کی ہر چیز اس موسم میں خوش و خرم نظر آ رہی ہے، دراصل یہ موسم برسات کی خوبصورت بہاریں ہیں، جنہوں نے ہر طرف دھوم مچا دی ہے اور خوشیاں بکھیر دی ہیں۔

⑤ جنگل سب اپنے تن پہ ہریالی سج رہے ہیں — گل پھول، جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں — اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

تشریح:۔

اس بند میں نظیر اکبر آبادی برسات کی بارشوں کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان بارشوں کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز نکھر گئی ہے اور جنگل کے تمام پودے اور درخت تروتازہ ہوگئے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے پورے جنگل نے اپنے بدن پر سبزہ سجا لیا ہے اور جنگل کے ہر درخت نے سبز رنگ کا حسین وجمیل لباس پہن رکھا ہے جس کی وجہ سے سارا جنگل ہرا بھرا دکھائی دے رہا ہے۔ ہر پھول، ہر درخت، ہر جھاڑی بڑی شان وشوکت سے سج دھج کر تیار ہوگئی ہے جیسے دیکھ کر انسان کا جی خوش ہو جاتا ہے۔ مسلسل بارش کی وجہ سے آسمان پر بار بار بجلی چمک رہی ہے اور بادلوں کے گرجنے کی آوازیں بھی وقفے وقفے سے آرہی ہیں۔ اور گھن گرج کی آواز سن کر یوں لگتا ہے جیسے یہ اللہ تعالیٰ کا نقارہ اور ڈھول ہو جو انسانوں کو خوش کرنے اور محظوظ کرنے کی خاطر بجایا جارہا ہو۔ اس لیئے اے میرے دوستو ذرا دیکھو تو سہی! ہر طرف کتنی چہل پہل اور رونق ہے۔ یہ سب برسات کی خوبصورت بہاریں ہیں جنہوں نے ہر طرف دھوم مچادی ہے اور خوشیاں بکھیر دی ہیں۔

⑥ کیا کیا رکھے ہیں یارب سامان تیری قدرت — بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت — تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

تشریح:۔

نظیر اکبر آبادی اپنی نظم کے اس بند میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے پروردگار! تُو نے اپنی قدرت سے کیسی کیسی عجیب وغریب اور حیران کن چیزیں بنا رکھی ہیں کہ تیری قدرت کے کمالات اِس پوری کائنات میں چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں۔ تیری قدرت ہر لمحہ نئے نئے انداز سے ہمارے سامنے آتی رہتی ہے اور تیری قدرت کا ایک بڑا کمال یہ موسموں کی تبدیلی ہے۔ جس میں ہمیں کبھی نیلا اور صاف آسمان دکھائی دیتا ہے تو کبھی گہرے کالے بادل آسمان پر چھا جاتے ہیں۔ موسموں کا یہ تغیر وتبدل دیکھ کر سب لوگ مستی میں آجاتے ہیں اور خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں اور تیری قدرت کو پہچان کر تیری عظمت کے ترانے گانے لگتے ہیں۔ اس لیئے تیتر بھی مستی میں آکر بولنے لگتا ہے اور اُس کی آواز سُن کر یوں لگتا ہے جیسے وہ تیری قدرت کا اعتراف کر کے تیری پاکی بیان کر رہا ہو۔ اس لیئے اے میرے دوستو! ذرا دیکھو تو سہی کہ بارش کے اس موسم میں ہر طرف کتنی چہل پہل ہے اور لوگ کس قدر خوش نظر آرہے ہیں۔ یہ سب برسات کی خوبصورت بہاریں ہیں جنہوں نے ہر طرف دھوم مچا رکھی ہے اور خوشیاں بکھیر دی ہیں۔

④ بولیں بٹے بٹیریں قمری پکارے، کُو کُو — پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تُو تُو
کیا ہُدہُدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہُو ہُو — سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

تشریح:
اس بند میں نظیر اکبر آبادی موسم برسات میں پرندوں کی خوشی اور مستی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ برسات کی بارش کی وجہ سے جہاں انسان خوشی سے مست ہو رہے ہیں وہاں پرندے بھی اس سہانے موسم میں خدا تعالیٰ کی حمدوثنا کے گیت گا کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ چنانچہ بیٹا ایک پرندہ ہے جو گھاس کا ایک لٹکا ہوا چھوٹا سا خوبصورت گھونسلا بناتا ہے، وہ اپنی بولی میں برسات کی آمد کا گیت گا رہا ہے اور بٹیر جو تیتر کی طرح کا ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے وہ بھی مستی میں آکر اپنی بولی میں خوبصورت نغمے گا رہا ہے۔ اور زرد رنگ کا خوش آواز پرندہ پپیہا بھی پی پی کی صدا لگا رہا ہے۔ اُدھر سفید رنگ کا آبی پرندہ بگلا بھی خوش ہو کر تُو تُو کی آوازیں نکال رہا ہے۔ ان پرندوں کے علاوہ ہُدہُد حق حق کی آواز کے ساتھ اور اور فاختائیں "ہُو ہُو" کی آوازیں نکال کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ! اس خوبصورت موسم میں کون سا پَروں اور بازوؤں والا پرندہ ایسا ہے جو تیری حمد کے گیت گا کر خوشی کا اظہار نہیں کر رہا؟ سب چھوٹے بڑے پرندے تیرا نام رٹ رٹ کر تیری ہی حمدوثناء میں مصروف ہیں۔ اس لیئے اے میرے دوستو! ذرا دیکھو تو سہی، یہ سب برسات کے کرشمے ہیں کہ ہر طرف خوشی اور مستی چھائی ہوئی ہے۔

⑤ کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمین پھسلنی — مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی — جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کیا کیا مچی ہیں یارو! برسات کی بہاریں

تشریح:
اس بند میں نظیر اکبر آبادی بڑے خوبصورت انداز میں برسات کا ایک اور پہلو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ موسم برسات میں بارش کی وجہ سے موسم تو خوشگوار ہو جاتا ہے لیکن ظاہر ہے جہاں بارش ہوگی وہاں زمین پر کیچڑ بھی ضرور ہوگا اور کیچڑ کی وجہ سے زمین نرم ہو جاتی ہے اور اُس پر پھسلن بہت زیادہ آجاتی ہے اور پھسلن کی وجہ سے پیدل چلنے والوں کے لیئے بہت مشکل ہو جاتی ہے اور جب کوئی راہ گیر پیدل چلتا ہے تو وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتا اور وہ پھسل کر کیچڑ میں گر جاتا ہے اور اُس کی پگڑی اس کے سر سے گر کر کیچڑ میں گندی ہو جاتی ہے۔ ایسے عالم میں وہ خود کو سنبھال نہیں سکتا تو پگڑی کو سنبھالنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے اور اُسے بہت زیادہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اسی طرح اگر کیچڑ زیادہ ہو تو چلنے والے کا جوتا اس کیچڑ میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور اس پھنسے ہوئے جوتے کو کیچڑ سے نکالنا ہر کسی کے بس کی بات

نہیں ہوتی۔ اس طرح کیچڑ میں لوگوں کا پھسل کر گرنا اور جوتی کا پھنسنا اور بھی مزہ دیتا ہے اور لوگ یہ منظر دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔ اس لیئے اے میرے دوستو! یہ سب برسات کی بہاریں اور کرشمے ہیں کہ ہر طرف خوشی اور مستی چھائی ہوئی ہے۔

⑥ گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطر پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منہ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اس میں آن اکثر ہوتے ہیں سینکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

تشریح:- نظم کے اس آخری بند میں نظیر اکبر آبادی مزاحیہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ موسم برسات میں مسلسل بارش کی وجہ سے زمین پر ہر جگہ کیچڑ ہوتا ہے۔ جو بھی راستے پر چلتا ہے تو وہ پھسل کر کیچڑ میں گر جاتا ہے اور اس کے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو جاتے ہیں اور سارا منہ بھی کیچڑ سے بھر جاتا ہے اور پھر اسے کوئی پہچان بھی نہیں پاتا۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ ایسے پھسلنے والے ایک دو نہیں ہوتے بلکہ راہ چلتے ہوئے اکثر لوگ کیچڑ میں پھسل کر گر جاتے ہیں اور بہت سے لوگ پھسل کر اس بے ڈھنگے انداز سے گرتے ہیں کہ ان کا سر نیچے اور پاؤں اوپر کی طرف ہوتے ہیں۔ اور ان کو اس طرح گرتے دیکھ کر باقی لوگ ہنس ہنس کر بے حال ہو جاتے ہیں اور ان گرنے والوں کا خوب مذاق اڑاتے ہیں اس لیئے اے میرے دوستو! یہ سب برسات کی بہاریں اور کرشمے ہیں کہ سب پر مستی چھائی ہوئی ہے اور ہر طرف خوشی کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔



ولادت : ۱۸۷۷ء
وفات : ۱۹۳۸ء

تعارف علامہ محمد اقبال

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ جن کو حکیم الامت اور ترجمانِ حقیقت جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے، سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ اقبال نے ایف اے تک تعلیم سیالکوٹ سے حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے فلسفے میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد یورپ سے پی ایچ ڈی اور بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ لاہور میں پروفیسر رہے پھر وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ پاکستان کا تصور اقبال نے پیش کیا۔ حکومتِ برطانیہ نے اقبال کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے صلے میں سر کا خطاب دیا۔

اقبال نے اپنے کلام میں حرکت وعمل کا درس دیا اور آزادی اور مردِ مومن کا تصور اس طرح پیش کیا کہ اقبال کو پڑھنے والا اپنے زمانے کے کسی فرعون کے سامنے سر جھکانا اپنی غیرت کے خلاف سمجھنے لگا۔

عشقِ رسولؐ اقبال کی سوچ کا محور ہے۔ ان کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا "فلسفۂ خودی" ہے۔ شاہین اقبال کا پسندیدہ پرندہ ہے۔ وہ بلند پرواز، خلوت پسند اور خود دار پرندہ ہے۔ یہی خوبیاں اقبال اپنے دور کے مسلمانوں میں بھی دیکھنا چاہتے تھے۔

اقبال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کا مزار بادشاہی مسجد لاہور کے پہلو میں واقع ہے۔

تصانیف: بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز، پیامِ مشرق، زبورِ عجم اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی وغیرہ

نظم : طلوعِ اسلام

فرہنگ

گمان	شک	فراوانی	کثرت
چرخ	آسماں	رمز	خفیہ اشارہ
زندانی	قیدی	محکم	مضبوط
در	دروازہ	المانی	جرمن قوم
کارواں	قافلہ	ملتِ بیضا	مسلمان قوم
ارمغاں	تحفہ	جہانِ آب و گل	مٹی اور پانی سے بنی ہوئی دنیا
قندیل	چراغ	میانِ شاخساراں	شاخوں کے درمیان
مضمر	پوشیدہ	حنا بند	مہندی لگانا
بیاباں	ویرانہ	رہبانی	ترکِ دنیا کرنے والے
جادہ پیما	مسافر	جاوداں	ہمیشہ رہنے والا
شگاف	سوراخ	لم یزل	جس کو زوال نہ ہو

معروضی سوالات

درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیں۔

۱۔ علامہ اقبال ۱۸۷۷ء کو ...... میں پیدا ہوئے ۱۔ لاہور ۲۔ سیالکوٹ
۲۔ اقبال کے والد کا نام شیخ ...... تھا ۱۔ نور محمد ۲۔ محمد نور
۳۔ اقبال نے ...... میں ایم اے کیا ۱۔ فلسفے ۲۔ اردو
۴۔ حکومتِ برطانیہ نے اقبال کو ...... کا خطاب دیا۔ ۱۔ شمس العلماء ۲۔ سر
۵۔ ...... اقبال کی سوچ کا محور تھا۔ ۱۔ عشقِ رسول ۲۔ پاکستان
۶۔ اقبال کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا ...... ہے ۱۔ فلسفۂ آزادی ۲۔ فلسفۂ خودی
۷۔ اقبال کا پسندیدہ پرندہ ...... ہے ۱۔ شاہین ۲۔ کبوتر
۸۔ بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ...... میں گم ہو جا ۱۔ ملت ۲۔ اُمت
۹۔ پرے ہے چرخِ نیلی فام سے ...... مسلماں کی ۱۔ قسمت ۲۔ منزل
۱۰۔ خدا کا آخری پیغام ہے تو ...... تو ہے ۱۔ جاوداں ۲۔ کارواں
۱۱۔ لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی ...... کا ۱۔ امامت ۲۔ قیادت
۱۲۔ حنا بندِ عروسِ لالہ ہے ...... تیرا ۱۔ زخمِ دل ۲۔ خونِ جگر
۱۳۔ جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے ...... پیدا ۱۔ یقیں ۲۔ جذبہ

مشق

س ۱: نظم کے پہلے حصے کے پانچویں شعر میں کون سی خاص بات بیان کی گئی ہے؟

ج: پانچواں شعر:

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

وضاحت: نظم کے اس پانچویں شعر میں یہ خاص بات بیان کی گئی ہے کہ ایک سچے مسلمان کی فطرت میں کائنات کو تسخیر کرنے کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ اگر وہ اپنی صلاحیتوں کا درست استعمال کرے تو وہ اس کائنات کے پوشیدہ رازوں سے پردہ اٹھا سکتا ہے۔ یعنی اس جہانِ فانی میں ایک سچے مسلمان کا امتحان اور آزمائش یہی ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو کام میں لا کر اس کائنات کے خفیہ رازوں کو پانے کی جدوجہد کرے۔

س ۲: نظم کے دوسرے حصے کے پہلے شعر میں کس بات کو فطرت کا مقصد قرار دیا گیا ہے؟

ج: دوسرے حصے کا پہلا شعر

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

وضاحت:۔ اس شعر میں مسلمانوں کے بھائی چارے اور آپس کے اتفاق و اتحاد کو فطرت کا عظیم مقصد قرار دیا گیا ہے۔

س ۳: قیصر و کسریٰ کے ظلم کو کس چیز نے مٹا دیا تھا؟
ج: اس نظم میں علامہ اقبال نے بتایا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے ظلم کو حضرت علیؓ کے زورِ بازو، حضرت ابوذر غفاریؓ کے فقر اور حضرت سلمان فارسیؓ کی سچائی نے مٹا دیا تھا۔

س ۴: نظم کے دوسرے بند کے قوافی لکھیں۔
ج: نظم کے دوسرے بند کے قوافی:۔
مسلمانی، فراوانی، افغانی، کہستانی، رہبانی، سلمانی
زندانی، تورانی

س ۵: شاعر کا قلمی نام اس کا تخلص کہلاتا ہے۔ شاعر عموماً اسے اپنی غزل یا نظم کے آخری شعر میں استعمال کرتا ہے۔ اقبال کا کوئی ایسا شعر لکھیں جس میں ان کا تخلص موجود ہو۔
ج: شعر:۔
نہیں ہے ناامید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

س ۶: مصرعے مکمل کریں۔
ج: معروضی سوالات ملاحظہ کریں۔

اشعار کی تشریح

① خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو، زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تُو ہے

تشریح:۔
علامہ اقبال چونکہ مفکرِ امت ہیں۔ آپ نے اُمتِ مسلمہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیئے اپنے مقدس قلم اور زرخیز ذہن کا بے دریغ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ آپ اپنی اس نظم کے پہلے شعر میں قوم کے نوجوانوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ اے غفلت میں پڑے ہوئے مسلمان نوجوان!

تُو نے کبھی سوچا ہے کہ اس کائنات میں تیری قدر و قیمت کیا ہے؟ تُو تو اس خدائے پاک کی قدرت کا ہاتھ اور زبان ہے جسے کبھی زوال نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاتھ اور زبان میں وہ طاقت اور تاثیر رکھی ہے، جس سے تُو پورے عالم میں خدا کے نام کو بلند کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس کے شک اور بے یقینی کی کیفیت نے تجھ پر غلبہ کر رکھا ہے جس کے باعث تُو اپنی اصل قدر و قیمت کھو چکا ہے۔ اس لیئے اے غافل انسان! غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر اپنے اندر خدا کی ذات کا پختہ یقین پیدا کر۔

بقول اقبال :

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

---

② پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے

تشریح :-

اس شعر میں علامہ اقبال مسلمانوں کو اس کا اصل مقام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! تیری اصل منزل اور اصل ٹھکانہ یہ فانی دنیا نہیں ہے، یہ تو عارضی زندگی ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گی۔ اس لیئے تجھے اس فانی دنیا سے دل نہیں لگانا چاہیئے۔ اور تیری اصل منزل تو اس نیلے رنگ کے آسمان سے بھی بہت آگے ہے اور تُو اُس قافلے کا مسافر ہے جو اتنی بلندی پر جائے گا کہ آسمان کے ستارے بھی تیرے راستے کے گرد و غبار بن جائیں گے یعنی تو ستاروں کو بھی اپنے پیروں تلے روند کر اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ اے مسلمان! تیرا نصب العین اس قدر بلند ہے کہ آسمان کی بلندی بھی اُس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور آسمان کے ستاروں کی چمک دمک بھی تجھے اپنی طرف مائل کر کے تجھے اپنے مقصدِ اصلی سے نہیں ہٹا سکتی۔

بقول شاعر : ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

---

③ مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو، جاوداں تُو ہے

تشریح :- اس شعر میں علامہ اقبال مسلمان کو دنیا کی حقیقت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ دنیا عارضی ہے اور اس کی ہر چیز نے ایک دن فنا ہو جانا ہے۔ اور اس دنیا میں بسنے والے بھی یہاں تھوڑی دیر کے مہمان ہیں اور آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن اے مسلمان! تیری حیثیت یہ ہے کہ دنیا کی

ابتدا سے لیکر اس کے اختتام تک جو کچھ ہے وہ سب تیرا ہے۔ اس کائنات کا آغاز بھی تو ہے اور اختتام بھی تو ہے۔ تمہیں خدا نے لوگوں کی رہنمائی کے لیئے منتخب کر لیا ہے اور قیامت تک تم پر یہ ذمہ داری ڈال دی ہے کہ تم خدا کے آخری پیغام (قرآن) کے نمائندے بن کر پوری کائنات کو اُس کی وحدانیت کے نور سے روشن کر دو۔ جب تم قرآنی تعلیمات کو دنیا میں عام کرو گے تو تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے باقی رہ جاؤ گے اور قرآن کی تعلیمات تمہارے لیئے دائمی زندگی کا سامان بن جائیں گی

---

(4) حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے

تشریح :- اس شعر میں علامہ اقبال مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے مسلمان! گلِ لالہ جیسے خوبصورت پھول کے سرخ رنگ میں تیرے جگر کا خون موجود ہے۔ یعنی تو نے ہی گلِ لالہ کو اپنے جگر کا قیمتی خون دے کر نکھارا ہے تبھی تو یہ اس قدر حسین اور گہرے سرخ رنگ کا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مسلسل محنت اور کوشش سے ہی کوئی چیز نکھرتی ہے اور اس کے لیئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اس لیئے اے مسلمان تو اس دین کے لیئے بھی محنت اور کوشش کر اور قربانیاں دیکر توحید کی خوشبو سے ساری دنیا کو معطر کر دے۔ کیونکہ تیری روحانی نسبت اور روحانی تعلق حضرت ابراہیمؑ سے ہے جنہوں نے خدا کی توحید کو عام کرنے کے لیئے ہر طرح کی قربانی دی اور ساری انسانیت کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیئے خانۂ کعبہ تعمیر کیا۔ اس لیئے اے مسلمان اب یہ تیری اوّلین ذمہ داری ہے کہ تو اُس عظیم نبی کے روحانی فرزند ہونے کے ناتے ملت کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار عطا کرے۔

---

(5) تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

تشریح :- اس شعر میں علامہ اقبال مسلمانوں کو ان کی اصل ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی میں ہر ممکن چیز تیری امانتدار فطرت کے باعث ہی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایسی نیک اور امانتدار فطرت سے نوازا ہے کہ تو اس کائنات کا ہر پوشیدہ راز تلاش کر کے اس کائنات کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیئے اب تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اپنی صلاحیتوں کا درست استعمال کر کے اس کائنات کے پوشیدہ رازوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ اور پھر دریافت ہونے والی چیزوں کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کرو۔ یہی تمہارے لیئے اس

دنیا میں ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان ہے۔ اور ہمیں چاہیئے کہ ہر صورت اس امتحان میں پورا اترنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اللہ نے تمہیں سب انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر دنیا میں بھیجا ہے۔

⑤ جہانِ آب و گِل سے عالمِ جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے

تشریح: اقبال کے اس شعر میں جہانِ آب و گِل سے مراد مٹی اور پانی سے بنی ہوئی یہ عارضی دنیا ہے۔ اور عالمِ جاوید آخرت کی زندگی کو کہتے ہیں جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ بظاہر تو دنیا اور دنیا کی زندگی بے قیمت ہے لیکن دراصل آخرت میں کامیابی کا دارومدار اسی دنیا کی زندگی پر ہے۔ اس دنیا میں ہم جیسا عمل کریں گے اسی کے مطابق آخرت میں ہمیں پھل بھی ملے گا۔ ایک حدیث میں دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے اور اس کھیتی کو سنوارنے کے لیئے انبیاء اور رسول آیا کرتے تھے لیکن اب چونکہ نبیوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لیئے خدا نے اپنی توحید کا تحفہ اس امت کو سونپا ہے اور یہ اللہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ اس امت کو عطا کیا ہے

⑥ یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

تشریح:۔

اس شعر میں علامہ اقبال مسلمانوں کو انکی تاریخ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تاریخِ عالم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بنیادی نکتہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ ہمیشہ سے دنیا کے رہنے والوں کی بہترین رہنمائی مسلمانوں نے کی ہے۔ خاص کر ایشیا کی سرزمین میں جتنی بھی قومیں آباد ہیں، ان کو ترقی سے آشنا کرنے والے مسلمان ہی ہیں اور اُن کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والے بھی مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ایک لمبے عرصے تک ایشیاء کے خطے پر حکمرانی کی ہے اور بہترین طرزِ حکومت کے ذریعے ایشیاء میں بسنے والی تمام قوموں کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ کیا ہے۔ اس لیئے اے مسلمانو! اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اپنے اسلاف کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اُن کے نقشِ قدم پر چل کر یہاں امن قائم کرو کیونکہ اس خطے کی حفاظت اور نگرانی اب تمہاری اولین ذمہ داری ہے

⑧ سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

تشریح :- اس شعر میں علامہ اقبال مسلمانوں کو اُن کے اسلاف کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے مسلمان! تیرے بزرگ اور اسلاف بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ اپنی صداقت و سچائی، عدل و انصاف اور سخاوت و فیاضی کے ذریعے ساری دنیا پر حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ انہی خوبیوں کی بدولت وہ جہاں بھی جاتے تھے، لوگ ان کا خوش دلی سے استقبال کرتے تھے۔ اس لیئے اے آج کے مسلمانو! تم بھی اپنے اندر حضرت ابوبکرؓ کی صداقت، حضرت عمرؓ کی عدالت، حضرت عثمانؓ کی سخاوت اور حضرت علیؓ کی شجاعت پیدا کرو۔ جب تم ان خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کر لوگے تو رب تعالیٰ تمہیں پوری دنیا کی حکمرانی سونپ دے گا اور تم بھی اپنے اسلاف کی طرح پورے عالم کے امام بن جاؤ گے۔ بس شرط یہی ہے کہ تم اپنے بزرگوں کا بھولا ہوا سبق یاد کر کے اُن جیسی خوبیاں اپنے اندر پیدا کر لو۔

⑨ یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

تشریح :- اس شعر میں علامہ اقبال فطرت کا مقصد اور مسلمانی کا راز بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے مسلمان! اللہ تعالیٰ ہر انسان کو نیک فطرت پر پیدا کرتے ہیں۔ اس لیئے اللہ نے تمہیں بھی نیک فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تم پر بڑا احسان یہ کر دیا کہ تمہیں مسلمان گھرانے میں پیدا کیا ہے۔ اب اس فطرت کا مقصد اور مسلمانی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ اس دنیا میں ہمدردی اور بھائی چارے کی حکمرانی ہو اور دنیا میں ہر طرف محبت ہی محبت پھیلی ہوئی ہو۔ یعنی ہر شخص دوسرے کو اپنا بھائی سمجھے اور دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد خیال کرے۔ اور اسلامی تعلیمات بھی یہی ہیں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خود آپؐ نے بھی محبت اور عمدہ سلوک کے ذریعے اپنے جانی دشمنوں کے دل بھی جیتے ہیں۔ لہذا اے مسلمانو! تم فطرت کے اس اصول کو پہچانو اور مسلمانی کے تقاضے کو سمجھتے ہوئے دنیا میں محبت کو عام کر دو اور بھائی چارے کی فضا قائم کر کے اتحاد و اتفاق سے رہو۔

بقول شاعر :
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیئے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

(۱۰) بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

تشریح:۔
اس شعر میں علامہ اقبال مسلمانوں کو ملت کی ضرورت اور اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! تم تورانی، ایرانی، افغانی یا کسی اور مخصوص قوم کا باشندہ ہونے پر فخر نہ کرو۔ کیونکہ اس سے تم قومیت کی بنیاد پر بننے والے چھوٹے چھوٹے فرقوں میں بٹ جاؤ گے اور تمہاری اجتماعی قوت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ اور پھر تم دوسروں کے غلام بن کر رہ جاؤ گے۔ اصل میں علامہ اقبال قوم اور ذات پات کے تصور کو بت سمجھتے تھے کہ جس طرح بت پرست طرح طرح کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اسی طرح مسلمانوں نے بھی ذات پات اور رنگ ونسل کے بتوں کی پوجا شروع کر دی ہے۔ اس لیئے اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان رنگ ونسل کے بتوں کو توڑ کر کلمے کی بنیاد پر ایک قوم اور ایک ملت بن جائیں اور قومیت پر فخر کے بجائے اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں۔

بقول اقبال:
اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

---

(۱۱) میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ کہستانی

تشریح:
شاہین یعنی عقاب علامہ اقبال کا پسندیدہ پرندہ ہے۔ کیونکہ وہ پرندوں کا بادشاہ ہے اور نہایت بلند پرواز ہے۔ اس کے علاوہ شاہین خلوت پسند اور قناعت پسند ہوتا ہے، اپنے لیئے گھونسلا نہیں بناتا اور اونچے پہاڑوں کی کسی چٹان پر بسیرا کر لیتا ہے۔ چنانچہ اقبال مسلمان نوجوانوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ تم بھی اپنے اندر شاہین جیسی صفات پیدا کر لو۔ جب تمہارے بازوؤں میں پہاڑ پر بسیرا کرنے والے شاہین کی طرح بلند پرواز کرنے کی صلاحیت موجود ہے تو پھر درختوں کی شاخوں پر بیٹھ کر باغ کے پرندوں سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیئے اے مسلمانو! تم کب تک آرام و آسائش والی زندگی بسر کرتے رہو گے، اب تمہیں چاہیئے کہ تم آرام دہ محلات میں زندگی گزارنے کی عادت کو چھوڑو اور شاہین کی طرح مسلسل جدوجہد کرکے اپنے لیئے نئے نئے جہان تلاش کرو۔

بقول شاعر:
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تُو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

⑫ گمان آباد ہستی میں یقین مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

تشریح: اس شعر میں علامہ اقبال مردِ مومن کے پختہ یقین کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس وقت ساری دنیا شک وشبہ اور بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہے اور سب لوگ اپنے ایمان اور یقین کے حوالے سے ڈگمگا رہے ہیں لیکن اس بے یقینی کی فضا میں جہاں ہر کوئی شک و شبے میں گرفتار رہتا ہے مردِ مومن کے علاوہ کوئی بھی پختہ ایمان اور مضبوط یقین کا مالک نہیں ہوتا۔ اور بے یقینی کے اندھیروں میں مردِ مسلمان کے مضبوط یقین کی مثال اُس چراغ کی سی ہوتی ہے جو رات کی تاریکیوں کا پردہ چاک کر کے ویرانے کا چپہ چپہ روشن کرتا رہتا ہے۔ یعنی بے یقینی کے اندھیروں سے آباد دنیا میں ایک مردِ مومن کے ایمان کا مرتبہ وہی ہے جو کسی ویرانے کی تاریک رات میں کسی فقیر کی جھونپڑی کے چراغ کا ہو سکتا ہے۔ جس طرح ویرانے میں جلنے والا وہ چراغ بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے اسی طرح ایک مضبوط ایمان والا مومن گمراہ انسانیت کو بے یقینی کے اندھیروں سے نکال سکتا ہے۔

---

⑬ مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی

تشریح:- اس شعر میں علامہ اقبال نے قیصر اور کسریٰ کا ذکر کیا ہے۔ قیصر روم کی سلطنت کا عظیم بادشاہ گزرا ہے۔ اسکی حکومت یورپ کے علاوہ افریقہ، شام اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ انتہائی ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ اور کسریٰ ایران کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ یہ انتہائی مغرور اور متکبر بادشاہ تھا اس کے دربار میں نہایت قیمتی قالین بچھے ہوتے تھے اور یہ عربوں کا سخت دشمن تھا۔ اُس وقت دنیا میں یہی دونوں سپر پاور سمجھے جاتے تھے اور ان کو شکست دینا ناممکن تصور کیا جاتا تھا۔ یہ دونوں حکومتیں انسانیت کو اپنا غلام سمجھتی تھیں اور بے حد ظالم تھیں۔ لیکن حضورؐ کی تربیت یافتہ صحابہ کی جماعت نے اِن کا غرور خاک میں ملا دیا اور حضرت علیؓ کی قوتِ ایمانی، حضرت ابوذر غفاریؓ کی فقیری اور دنیا سے بے رغبتی اور حضرت سلمان فارسیؓ کی سچائی کی طاقت نے ان دونوں سلطنتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ان کے ظلم وستم کا خاتمہ کر دیا۔ اس لیئے اے مسلمانو! اگر تم بھی صحابہ والے یہ اوصاف اپنا لو تو تم بھی دنیا سے ظلم وجبر کا خاتمہ کر کے اسے عدل و انصاف کا گہوارہ بنا سکتے ہو۔

بقول شاعر
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

(14) ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

تشریح:- اس شعر میں علامہ اقبال مضبوط ایمان کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! یاد رکھو اس دنیا میں استحکام اور پائیداری صرف اُن لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو پکے اور مضبوط ایمان والے ہوتے ہیں۔ اس لیئے اگر تم دنیا میں استحکام چاہتے ہو تو اپنے ایمان اور یقین کو مضبوط بناؤ۔ اور اس کی واضح مثال تورانی یعنی ترک قوم ہے جس نے اپنے پختہ یقین اور مضبوط ایمان کی بدولت المانی یعنی جرمن جیسی مضبوط اور طاقتور قوم پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ اس بات سے اقبال کا اشارہ ترکوں کی اُن فتوحات کی طرف ہے جو ۱۹۱۸ء میں جرمن قوم سے شکست کے بعد صرف چار سال میں انہوں نے حاصل کیں اور ایک طاقتور قوم بن کر اُبھرے۔ اس لیئے اے مسلمانو! تم بھی پختہ یقین اور مضبوط ایمان اپنے اندر پیدا کرو تو تمہیں کوئی بھی شکست نہیں دے سکے گا اور تم اپنے مضبوط ایمان کی بدولت ہر قوم پر غالب رہو گے

(15) جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

تشریح:- اقبال کے اس شعر میں روح الامین سے مراد حضرت جبرئیلؑ ہیں جو خدا کے مقرب فرشتے ہیں اور نبیوں کی طرف وحی لے کر آتے تھے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ جب انسان کے وجودِ خاکی میں ایمان کی چنگاری سُلگتی ہے تو اُس کے اندر مضبوط ایمان اور پختہ یقین جنم لینے لگتا ہے۔ اور اس کے اندر جبرئیل امین جیسی بلند پروازی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ جبرئیل امین جیسی روحانی قوت کا مالک بن جاتا ہے۔ پھر یہ روحانی قوت مٹی سے بنے ہوئے انسان کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیتی ہے اور وہ عرشِ معلی کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگ جاتا ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ یقین ایک ایسی طاقت ہے جس کی بدولت خاک پر رہتے ہوئے بھی انسان کی رسائی اللہ کے عرش تک ہو جاتی ہے۔ یعنی یقین کی وجہ سے انسان ایسی روحانی ترقی پا لیتا ہے کہ اس کی بات اور دعا سیدھی اللہ کے عرش تک جا پہنچتی ہے۔

بقول شاعر:-

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

تعارف : مرزا اسد اللہ خان غالب

ولادت : ۱۷۹۷ء　　　　وفات : ۱۸۶۹ء

مرزا اسد اللہ خان غالب اکبر آباد آگرہ میں پیدا ہوئے۔ نام اسد اللہ اور غالب تخلص تھا۔ والد کا نام عبداللہ بیگ تھا۔ آباؤ اجداد کا پیشہ سپہ گری تھا آپ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے اور نانا کی سرپرستی میں آگئے۔ غالب کی زندگی کا زیادہ عرصہ دہلی میں گزرا اور ۱۸۵۷ء میں دہلی کی تباہی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ غالب کی آمدنی معقول تھی مگر اپنی شاہ خرچیوں کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے۔

غالب اردو شاعری کے لیئے باعثِ فخر ہیں۔ آپ نے اردو شاعری کو بیان کا ایک نیا انداز دیا۔ غالب ایک مشکل پسند شاعر ہیں، آپ کا اندازِ بیان دوسرے تمام شاعروں سے منفرد و ممتاز ہے۔ آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیت ایجاز و اختصار ہے۔ آپ اپنے غمِ دل کو ظرافت کے پردے میں چھپا لیتے ہیں، آنسوؤں میں مسکرانا آپ کی خاص خوبی ہے۔ غالب ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو فوت ہوئے اور دہلی کی بستی نظام میں قبر بنی

فرہنگ　　　　غزلیاتِ غالب

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

دیدۂ تر	بھیگی ہوئی آنکھ	وصال	ملاقات
تشنہ	پیاسا	خلش	چبھن، درد
چارہ ساز	مدد کرنے والا، معالج	غم گسار	ہمدرد
ناصح	نصیحت کرنے والا	ہنوز	ابھی تک
رضوان	جنت کا داروغہ	خُلد	جنت

معروضی سوالات

درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیے۔

۱۔ مرزا غالب ۱۷۹۷ء کو ...... میں پیدا ہوئے۔　　ا۔ دہلی　　۲۔ آگرہ ✓
۲۔ غالب کے والد کا نام ...... تھا۔　　ا۔ عبداللہ بیگ ✓　　۲۔ اسد اللہ بیگ
۳۔ غالب کے آباؤ اجداد کا پیشہ ...... تھا　　ا۔ کھیتی باڑی　　۲۔ سپہ گری ✓
۴۔ غالب اپنی ...... کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے۔　　ا۔ شاہ خرچی ✓　　۲۔ غربت
۵۔ کیا ہی ...... سے لڑائی ہو گی　　ا۔ رضوان ✓　　۲۔ شیطان
۶۔ یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ......　　ا۔ دشمن　　۲۔ ناصح ✓
۷۔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ ...... ہوتا　　ا۔ بادہ خوار ✓　　۲۔ بے نمازی
۸۔ کہوں کس سے میں کہ کیا ہے ...... بری بلا ہے　　ا۔ شبِ ہجر　　۲۔ شبِ غم ✓

مشق

س ۱: پہلی غزل کا مطلع لکھیں۔

لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ج: **مطلع:**

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

س ۲: پہلی غزل کے پانچویں شعر کے مطابق شاعر کے گھر اور دشت میں کون سی خصوصیت مشترک ہے؟

ج: **پانچواں شعر:**

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا

پہلی غزل کے اِس پانچویں شعر میں شاعر کے گھر اور دشت میں "ویرانی" کی خصوصیت مشترک ہے۔ جیسے دشت میں ہر طرف ویرانی ہوتی ہے، اسی طرح شاعر کے گھر میں بھی ہر طرف ویرانی کا راج ہے۔

س ۳: دوسری غزل کے دوسرے شعر میں محبوب کے وعدے کو جھوٹ جاننے کی شاعر کیا دلیل پیش کرتا ہے؟

ج: **دوسرا شعر:**

تیرے وعدے پہ جیئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر اعتبار ہوتا

دوسری غزل کے اس دوسرے شعر میں شاعر محبوب کے وعدے کو جھوٹ جاننے کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اے محبوب! اگر ہم تیرے وعدے کو سچا جانتے تو خوشی سے مر گئے ہوتے۔

س ۴: دوسری غزل کے چوتھے شعر میں شاعر اپنے دوستوں سے کیا گِلہ کرتا ہے؟

ج: **چوتھا شعر:**

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

اس شعر میں شاعر کو اپنے دوستوں سے یہ گِلہ ہے کہ دوست مجھے تسلی نہیں دے رہے اور میرے غم میں شریک ہونے کے بجائے الٹا واعظ بن کر مجھے نصیحتیں کر رہے ہیں۔

لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۵، مجنوں پہ سنگ اٹھایا تو شاعر کو اپنا سر کیوں یاد آیا؟
ج، مجنوں پہ سنگ اٹھایا تو شاعر کو اپنا سر اس لیئے یاد آیا کہ اگر عشق میں دیوانہ ہونے والے پتھر مارے جانے کے مستحق ہیں تو خود شاعر میں بھی عشق کی دیوانگی موجود ہے لہذا اُسے بھی مل سکو پتھر مارے جا سکتے ہیں چنانچہ یہ سوچ کر شاعر نے پتھر رکھ دیا۔

س ۶، مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
جھوٹ	سچ	دوستی	دشمنی	زندگی	موت
شب	روز	غم	خوشی	ویرانی	آبادی

اشعار کی تشریح

غزل نمبر 1

① پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

تشریح:-
غزل کے اس مطلع یعنی پہلے شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ جب میرا دل فریاد کرنے کے لیئے بے تاب ہوا اور میرے دل میں فریاد کی تڑپ پیدا ہوئی تو مجھے اپنی آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں بھی یاد آگئیں۔ کیونکہ دل کی فریاد اور پیاس کو صرف آنکھوں کی اشک باری ہی بجھا سکتی ہے۔ جب انسان وادیٔ عشق میں قدم رکھتا ہے تو محبوب کی بے توجہی اور بے رخی کے باعث عاشق کا دل تڑپتا رہتا ہے اور اس بے قراری کی کیفیت میں عاشق ہر وقت روتا ہی رہتا ہے۔ تو شاعر کہتے ہیں آج مجھے بیتے ہوئے اپنا وہ زمانہ یاد آگیا ہے کہ جب دل کی بے قراری کے باعث تڑپتا اور روتا رہتا تھا۔
بقول شاعر، چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

② دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

تشریح:-
اس شعر میں مرزا غالب اپنے محبوب کی جدائی کی دردناک کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! جب تو مجھ سے رخصت ہو رہا تھا تو تیرے رخصت ہونے کی وہ گھڑی مجھ پر قیامت جیسی بھاری تھی کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تو مجھ سے دور چلا جائے اور ابھی میں تیری جدائی

کے صدمے سے نہیں سنبھلا تھا کہ پھر مجھے تیری جدائی کا وہ اذیت ناک لمحہ یاد آیا تو میرے دل کی بے قراری اور بھی بڑھ گئی اور میرا دل اور زیادہ بے چین ہو گیا۔ کیونکہ میں کسی بھی حال میں تمہیں خود سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے تجھے رخصت کیا اور ابھی تیری جدائی کا زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ تیری جدائی کا وہ منظر بار بار مجھے یاد آتا ہے جس کی وجہ سے میں دہری اذیت سے دوچار ہو جاتا ہوں۔

بقول شاعر: ع یہ سچ ہے کہ تجھ سے بچھڑ کے جی رہا ہوں میں
اک زہر ہے زندگی میری قطرہ قطرہ پی رہا ہوں میں

(3) زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

[illegible]
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

تشریح:۔ اس شعر میں مرزا غالب اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! زندگی کا کام تو گزرنا ہے، چاہے اچھی گزرے یا بری، خوشیوں والی زندگی ہو یا دکھ درد سے بھری ہوئی ہو، دونوں صورتوں میں زندگی گزر جاتی ہے۔ کیونکہ وقت ایک ایسا سمندر ہے جو کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا، بس آگے کی طرف ہی رواں دواں رہتا ہے اور یہی حال میری زندگی کا بھی ہے کہ تیرے بغیر بھی میری زندگی گزر ہی جاتی، کٹ ہی جاتی۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے بار بار وہ راستہ یاد آتا ہے جس پر تو کبھی گزرا کرتا تھا اور اُس راستے کی یاد آنے سے میرے سینے کے پرانے زخم پھر سے تازہ ہو جاتے ہیں اور تیری یاد مجھے دن بدن بے قرار کرنے لگتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ جب زندگی نے تیرے بغیر بھی گزر ہی جانا ہے تو مجھے بار بار تیری راہ گزر کیوں یاد آتی ہے؟

(4) کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی ،، گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

تشریح:۔

اس شعر میں مرزا غالب اپنے محبوب کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! اگر میں جنت میں چلا گیا تو تیرے بغیر میں جنت میں بھی خوش نہ رہ سکوں گا۔ اور جنت میں جب مجھے تیرے گھر کی یاد ستائے گی تو میں تیرا گھر تلاش کرنے نکل پڑوں گا۔ اور اس دوران جنت کے دربان رضوان سے لازمی طور پر میرا جھگڑا ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ مجھ سے تیرا گھر تلاش کرنے کی وجہ پوچھے گا تو میں کہوں گا کہ محبوب کا گھر اس جنت سے کہیں بہتر اور خوبصورت ہے تو داروغۂ جنت میری بات ماننے سے انکار کر دے گا اور میں اُسے قائل کرنے کی کوشش کروں گا، اس بحث مباحثے کے دوران میری اُس سے خوب لڑائی ہوگی۔ یا لڑائی کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی

غزل نمبر ۹

۱ یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا

تشریح:-

غزل کے اس مطلع یعنی پہلے شعر میں مرزا غالب اپنی بدنصیبی کا رونا روتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم زندگی بھر محبوب کے دیدار اور ملاقات سے محروم رہے ہیں۔ ہر سچا عاشق اپنے محبوب کی ملاقات کی تڑپ اپنے دل میں رکھتا ہے چنانچہ یہ تڑپ اور شوق ہمارے دل میں بھی تھا کہ کبھی ہمیں بھی اپنے محبوب کی ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے تاکہ ہم اپنے محبوب کا دیدار کر کے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھا سکیں لیکن افسوس کہ ہمارے محبوب نے ہم سے ہمیشہ سنگدلانہ رویہ رکھا اور وہ کبھی ہماری حالتِ زار پر ترس کھا کر ہماری ملاقات کو نہ آیا۔ یوں عمر بھر بے پناہ محبت کے باوجود ہم اپنے محبوب کے دیدار اور ملاقات سے محروم رہے۔ اور اسی محرومی کی حالت میں ہم اس دنیا سے جا رہے ہیں اور یہ ہمارے حق میں اچھا ہی ہوا ہے کیونکہ جب محبوب کا دیدار قسمت ہی میں نہ تھا تو اگر ہم اور زندہ رہتے تو تب بھی محبوب کی ملاقات اور دیدار کا انتظار کرتے کرتے مزید پریشان اور اداس رہتے۔

بقول شاعر: جان لیوا تھیں خواہشیں ورنہ
وصل سے انتظار اچھا تھا

۲ تیرے وعدے پہ جیئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر اعتبار ہوتا

تشریح:-

اس شعر میں غالب اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ: اے میرے محبوب! تُو نے مجھ سے بہت سے وعدے کیئے ہیں لیکن تو نے کبھی اپنے کسی وعدے کو پورا نہیں کیا اور تیرا ہر وعدہ جھوٹا ثابت ہوا ہے۔ اس لیئے اب مجھے تجھ پر اعتبار نہیں رہا اور میرے دل کو تیرے وعدوں سے تسلی نہیں ہوتی۔ اے محبوب! تُو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تُو مجھ سے ملاقات کو آئے گا اور مجھے اپنا دیدار کرائے گا۔ اگر میں نے تیرے اس وعدے پر یقین کیا ہوتا تو میں اب تک تیرے دیدار اور ملاقات کی خوشی سے مر چکا ہوتا۔ لیکن میں نہیں مرا بلکہ زندہ ہوں اور میرا زندہ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ تیرے اس وعدے کو بھی میں نے تیرے دوسرے وعدوں کی طرح جھوٹ سمجھا ہے کیونکہ تو نے کبھی کوئی وعدہ پورا نہیں کیا، ملاقات کا تیرا یہ وعدہ بھی جھوٹا ہے۔ اسی لیئے میں خوشی سے مرا نہیں ہوں بلکہ زندہ رہ کر اپنے دن پورے کر رہا ہوں۔

بقول شاعر: ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا، وہ آتے تو کیا ہوتا

لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ہے کہ جنت میں داخلے کے بعد اگر تیری یاد نے مجھے ستایا تو میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تیرے گھر کی تلاش میں جنت سے باہر نکلنے کی کوشش کروں گا اور رضوان مجھے باہر جانے سے روکے گا تو میرے اور اس کے درمیان لڑائی تک نوبت آ پہنچے گی۔

بقول شاعر: کرتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست ،، لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

⑤ کوئی ویرانی سی ویرانی ہے ،، دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

تشریح:۔

اس شعر میں غالب اپنے گھر اور صحرا کو ایک جیسا قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں محبوب کے عشق میں دیوانہ ہو کر گھر سے نکل کر دل بہلانے کے لیئے صحرا کی طرف نکل آیا لیکن وہاں میں نے ایسی وحشت اور ویرانی دیکھی کہ ہر طرف ہُو کا عالم تھا مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی تو صحرا کی اس ویرانی کو دیکھ کر مجھے اپنا گھر یاد آ گیا کہ محبوب کے بغیر میرا گھر بھی اس صحرا کی طرح ویران لگتا ہے۔ بلکہ میرے گھر کی ویرانی صحرا کی ویرانی سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لیئے اگر کسی نے اصل ویرانی دیکھنی ہے تو وہ صحرا کے بجائے میرے گھر کو دیکھ آئے کہ محبوب کے بغیر میرا گھر کس قدر سُونا اور ویران پڑا ہوا ہے اور ایسی وحشت پھیلی ہوئی ہے کہ اس گھر میں کوئی بھی انسان رہنا پسند نہ کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ گھر نہیں بلکہ شاعر کا دل اُجڑا ہوا اور ویران ہے، اس لیئے اُسے ہر جگہ ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے۔

بقول شاعر: جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں ،، کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

⑥ میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ ،، سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

تشریح:۔

غزل کے اس مقطع یعنی آخری شعر میں غالب کہتے ہیں کہ میں شروع ہی سے عاشق مزاج ہوں اور فطرتی طور پر میری طبیعت میں عشق رچا بسا ہوا ہے۔ اور اس بات کے ثبوت میں غالب اپنے لڑکپن کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے لڑکپن میں مجنوں (قیس) کی طرح کے کسی عاشق کو دیوانہ سمجھ کر پتھر مارنے کا ارادہ کیا لیکن جیسے ہی میں نے پتھر اٹھا کر اسے مارنا چاہا تو اُسی وقت فوراً مجھے اپنا سر یاد آ گیا کہ میں بھی تو عاشق مزاج ہوں اگر مستقبل میں مَیں بھی کسی کے عشق میں دیوانہ ہو گیا تو لڑکے مجھے بھی پاگل سمجھ کر پتھر ماریں گے۔ اس لیئے یہ خیال آتے ہی میں نے خود کو روک لیا اور مجنوں کو پتھر نہ مارا۔ اس واقعے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شاعر شروع ہی سے عاشق مزاج تھا اور اُسے سچے عاشقوں سے دلی ہمدردی تھی، اسی لیئے شاعر نے لڑکوں کے دستور کے مطابق مجنوں کو پتھر مارنے سے گریز کیا۔

بقول شاعر:

خوش حاضر ہے محبت کی سزا پانے کو ،، کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

③ یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

تشریح :-

اس شعر میں مرزا غالب اپنے دوستوں کی دوستی کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں کس قدر نادان ہوں کہ میں نے ایسے لوگوں سے دوستی کی ہے جو میرے سے دوستی کے قابل ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ سچا دوست تو وہ ہوتا ہے جو مصیبت میں کام آئے لیکن میرے دوست عشق میں میری مدد کرنے کے بجائے الٹا مجھے عشق سے باز آنے کی نصیحتیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ عشق و محبت ایسی چیز ہے جس میں کوئی بھی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ میرے دوست احباب اس نکتے کو نہیں سمجھ رہے کہ سچے عاشق کے لیئے اپنے عشق کو چھوڑنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ اس لیئے دوستی کا تقاضا تو یہ ہے کہ میرے دوست مجھے ترکِ عشق کی نصیحت کرنے کے بجائے محبوب سے میری ملاقات کرانے کی کوئی تدبیر اختیار کریں کیونکہ میرے مرض کا واحد علاج یہی ہے۔ اور اگر یہ اُن کے بس کی بات نہیں ہے تو وہ میرے دکھ درد میں شریک ہو کر مجھے تسلی دیں اور میرے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

بقول شاعر : مرا ضمیر بہت ہے مجھے سزا کے لیئے
تُو دوست ہے تو نصیحت نہ کر خدا کے لیئے

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

④ رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا

تشریح :-

مرزا غالب اس شعر میں اپنے غم کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! عشق میں تمہاری بے رخی کی وجہ سے مجھے جو غم ملا ہے، تم اسے معمولی سمجھ کر ٹال رہے ہو۔ حالانکہ عشق میں ملنے والا غم کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی شدت اتنی زیادہ ہے کہ اگر عشق و محبت میں ملنے والا یہ غم چنگاری بن کر کسی پتھر میں داخل ہو جاتا تو پتھر بھی اس غم کی شدت کو برداشت نہ کر پاتا اور جب یہ غم پتھر کی رگوں میں سرایت کر جاتا تو تم دیکھتے کہ پتھر بھی اس طرح خون کے آنسو روتا کہ اس کے آنسو کسی بھی طرح رکنے کا نام نہ لیتے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ اگر سخت سے سخت دل انسان بھی عشق کے غم میں مبتلا ہو جائے تو وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتا اور بے دریغ آنسو بہانے لگتا ہے اور زیادہ رونے کی وجہ سے اسکی آنکھوں سے خون آنے لگتا ہے۔

بقول شاعر : رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں ہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

⑤ کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

تشریح:

اس شعر میں غالب محبوب سے جدائی کی رات کو شبِ غم یعنی غم کی رات قرار دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں کس سے کہوں اور کس کو بتاؤں کہ جدائی کی رات بہت بڑے غم کی رات ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محبوب پاس ہو تو ایک ایک لمحہ خوشیوں سے بھرپور ہوتا ہے اور جب محبوب پاس نہ ہو تو وہ رات سچے عاشق کے لیئے کسی قیامت سے کم نہیں ہوتی۔ جدائی کی اذیت ناکی کی وجہ سے دل چُور چُور ہو جاتا ہے اور اس رات میں انسان بار بار مرتا ہے غم کی اس رات سے تو مر جانا کہیں زیادہ آسان تھا۔ محبوب رات کی تنہائی میں پاس نہ ہو تو میں نہ جیتا ہوں اور نہ مرتا ہوں، بس مسلسل تڑپ کر اور سسک سسک کر رات گزار دیتا ہوں۔ کاش محبوب کو میری اس اذیت کا احساس ہوتا اور وہ مجھ پر رحم کھا کر جدائی کی رات کو ملن کی رات بنانے آ جاتا۔

بقول شاعر:
جدا ہوا وہ ہم سے اس طرح شاہان
کہ دن ڈھلتا نہیں، رات کٹتی نہیں۔

⑥ اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بُو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

تشریح:

اس شعر میں مرزا غالب اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے، وہ اپنی ذات، صفات اور طاقت میں اکیلا ہے، کوئی دوسرا اُس کا شریک نہیں ہے اس لیئے اللہ کے لیئے کسی شریک کا تصور بالکل غلط اور باطل ہے اگر کوئی دوسرا اُس جیسا ہوتا تو کہیں نہ کہیں ضرور ہمارے سامنے آتا لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ خدا تعالیٰ بالکل اکیلا ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس شعر میں مجازی محبوب بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی شاعر اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ میرے محبوب کا حُسن اتنا زیادہ ہے کہ اس کے چہرے پر نگاہ ٹھہرتی ہی نہیں ہے۔ میرا محبوب خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے، اُس جیسا حسین دنیا میں کوئی اور ہے ہی نہیں، اگر ہوتا تو کہیں نہ کہیں ضرور اُس سے آمنا سامنا ہو جاتا۔

بقول شاعر
میرے یار جیسا کوئی دوسرا ممکن ہی نہیں
کہ حُسن و جمال میں وہ اپنی مثال آپ ہے

۵۔ ایسی بستی کو تو ---- بنایا ہوتا	۱۔ ویرانہ	۲۔ شاہانہ
۶۔ یا تو افسر مرا ---- بنایا ہوتا	۱۔ شاہانہ	۲۔ پروانہ
۷۔ بلبل کو ---- سے نہ صیاد سے گلہ	۱۔ مالی	۲۔ باغبان
۸۔ اتنی جگہ کہاں ہے دلِ ---- میں	۱۔ بے قرار	۲۔ داغدار
۹۔ لگتا نہیں ہے جی مرا ---- دیار میں	۱۔ اُجڑے	۲۔ پرانے

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

مشق

س ۱: پہلی غزل کا مقطع لکھیں۔

ج: مقطع: روزِ معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

س ۲: پہلی غزل کے آخری شعر میں کون سی خاص بات بیان کی گئی ہے؟

ج: پہلی غزل کے آخری شعر میں یہ خاص بات بیان کی گئی ہے کہ اس دنیا میں آئے دن فتنہ و فساد ہو رہا ہے۔ لڑائی جھگڑا اور بدامنی بڑھ رہی ہے اگر خدا ایسی بستی بنانے کے بجائے اسے کوئی ویرانہ بنا دیتا تو زیادہ اچھا ہوتا

س ۳: پہلی غزل کے دوسرے اور تیسرے شعر کی تشریح کریں

ج: تشریح آگے ملاحظہ کریں

س ۴: دوسری غزل کے دوسرے شعر میں شاعر نے کون سی خاص بات بیان کی ہے؟

ج: دوسرا شعر: عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

اس شعر میں شاعر نے یہ خاص بات بیان کی ہے کہ اس دنیا میں انسان کو زندہ رہنے کے لیئے جو عرصہ دیا گیا ہے وہ بہت مختصر ہے۔ چند روز تو آرزوؤں میں گزر جاتے ہیں اور باقی چند روز اُن آرزوؤں کی تکمیل کے انتظار میں گزر جاتے ہیں، یوں انسان اپنی خواہشات کو سینے میں دفن کر کے رخصت ہو جاتا ہے

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۵: دوسری غزل کے قافیے تحریر کریں۔

ج: دوسری غزل کے قافیے حسبِ ذیل ہیں۔
دیار، ناپائیدار، انتظار، بہار، داغدار، یار

س ۶: پہلی غزل میں کون سی ردیف استعمال ہوئی ہے؟

ج: پہلی غزل کی ردیف:
"بنایا ہوتا"

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

تعارف : بہادر شاہ ظفر

ولادت : ۱۷۷۵ء
وفات : ۱۸۶۲ء

ابو المظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی نام اور تخلص ظفر تھا۔ دہلی میں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام اکبر شاہ ثانی تھا۔ آپ مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ تھے اور بادشاہت اُس وقت ملی جب مغلیہ خاندان اپنا وقار کھو چکا تھا۔ جب آپ تخت نشین ہوئے تو مغلیہ خاندان کی بادشاہت صرف دہلی کے لال قلعے تک محدود تھی۔ ۱۸۵۷ء میں یہ برائے نام بادشاہت بھی ختم ہوگئی اور انگریزوں نے آپ کو گرفتار کر کے برما کے شہر رنگون میں قید کر دیا اور ۱۸۶۲ء میں قید ہی کے دوران آپ کا انتقال ہوا۔

بہادر شاہ نے شاہ نصیر اور ذوقؔ جیسے بڑے شاعروں کی شاگردی کی لیکن ذہن اتنا تیز تھا کہ کسی ایک کی بھی تقلید نہیں کی بلکہ اپنی ایک منفرد راہ نکالی۔ بہادر شاہ ظفرؔ کے اشعار سے ان کا خونِ جگر ٹپکتا ہے۔ سیاسی انتشار اور اقتصادی بدحالی کے سبب اُن کی شاعری احساسِ محرومی، مایوسی اور دنیا کی بے ثباتی کی ایک مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔ ظفرؔ کی ہر غزل میں ہمیں دو طرح کے اشعار نظر آتے ہیں۔ ایک تو انتہائی مایوسی پیدا کرنے والے اور دردناک اور دوسرے رنگین اور شوخ اشعار۔ لیکن اصل میں یہ رنگین اشعار بھی اس احساسِ غم کو چھپانے کی ناکام کوشش معلوم ہوتے ہیں جو غزل کے پورے ماحول پر چھایا ہوتا ہے۔

غزلیات

فرہنگ

شاہانہ	بادشاہوں جیسا	درِ جانانہ	محبوب کا دروازہ
خاکساری	عاجزی	صیاد	شکاری
ظرف	برتن	کوئے یار	محبوب کی گلی
معمورہ	آبادی، بستی	عالم ناپائیدار	فانی دنیا
گدایانہ	فقیروں جیسا	صد چاک	سو جگہ سے پھٹا ہوا
پیمانہ	پیالہ	شانہ	کندھا
دیار	ملک	مے خانہ	شراب خانہ

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

معروضی سوالات

درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیں۔

۱۔ بہادر شاہ ظفر ------- میں پیدا ہوئے ۔   ا۔ دہلی   ۲۔ رنگون
۲۔ آپ کے والد کا نام ------- تھا۔   ا۔ احمد شاہ ثانی   ۲۔ اکبر شاہ ثانی
۳۔ آپ مغلیہ خاندان کے ------- بادشاہ تھے ۔   ا۔ پہلے   ۲۔ آخری
۴۔ آپ کی بادشاہت دہلی کے ------- تک محدود تھی۔   ا۔ لال قلعے   ۲۔ صدر بازار

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

س ۷: بہادر شاہ ظفر کا مزار کس شہر میں ہے؟
ج: برما کے شہر رنگون میں آپ کا مزار ہے۔

س ۸: شاعر کو کس شہر میں دفن ہونے کی تمنا تھی؟
ج: شاعر کو اپنے آبائی شہر دہلی میں دفن ہونے کی تمنا تھی۔

س ۹: مندرجہ ذیل کس قسم کے مرکبات ہیں؟
ج: غمِ عشق ← مرکب اضافی　　یادِ خدا ← مرکب اضافی
چار دن ← مرکب عددی　　بدنصیب شاعر ← مرکب توصیفی
عمرِ دراز ← مرکب توصیفی

س ۱۰: بہادر شاہ ظفر کی دونوں غزلوں میں سے کون سا شعر آپ کو زیادہ پسند آیا؟ پسند کی وجہ بھی لکھیں۔
ج: ویسے تو بہادر شاہ ظفر کا ہر شعر ہی قابلِ تعریف ہے لیکن مجھے ان کا یہ شعر زیادہ پسند آیا ہے۔

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

پسند کی وجہ یہ ہے کہ اس شعر میں بہادر شاہ ظفر نے بہت بڑی حقیقت بیان کر دی ہے کہ انسان کی خواہشات اور تمناؤں کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ ساری عمر اپنی خواہشات کی تکمیل کے انتظار میں گزار دیتا ہے پھر بھی اس کی خواہشات کبھی پوری نہیں ہوتیں۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

غزل نمبر ۱　　اشعار کی تشریح

① یا تو افسر مرا شاہانہ بنایا ہوتا ،، یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

تشریح:
مطلع کے اس شعر میں بہادر شاہ ظفر اپنی بدنصیبی اور بے بسی کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خدا! اگر تو نے مجھے تاج بخشا تھا تو صحیح معنوں میں مجھے صاحبِ اختیار بادشاہ بناتا تاکہ میرا حکم سارے ملک میں چلتا اور کسی کو میرے حکم سے انکار کی جرأت نہ ہوتی اور اگر تجھے یہ منظور نہیں تھا تو مجھے فقیروں کا تاج یعنی کشکول عطا کر کے درویش بنا دیتا تاکہ میں فقیروں والی زندگی گزارتا اور مجھے سلطنت کی کوئی پرواہ ہی نہ ہوتی۔ موجودہ صورتِ حال مجھے کسی طرح بھی قبول نہیں کہ میں بادشاہ تو ہوں مگر برائے نام ہوں اور ملک پر اصل حکمرانی انگریزوں کی ہے۔ لوگ مجھے ملک کا بادشاہ خیال کرتے ہیں جبکہ میری حیثیت ایک بھکاری کی سی ہے۔

(2) خاکساری کے لیئے گرچہ بنایا تھا مجھے ،، کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

تشریح :-

شاعر اس شعر میں خدا سے شکوہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے خدا ! اگر تُو نے مجھے عاجز اور بے بس ہی پیدا کرنا تھا تو مجھے تیرے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تُو اپنے عاجز اور خاکسار بندوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ میں تو بس اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر تُو مجھے اپنے محبوب کی چوکھٹ کی مٹی بنا دیتا تو یہ میرے حق میں بہت بہتر ہوتا کیونکہ محبوب کے دروازے کی مٹی بن کر مجھے کم ازکم محبوب کے پاؤں تلے روندے جانے کی سعادت تو حاصل ہوتی اور جب میرا محبوب مجھ پر قدم رکھ کر گزرتا تو میں اپنے محبوب کے خوبصورت قدموں کو چومنے کا شرف بھی حاصل کر لیتا۔ اور میں عاجزی اور خاکساری کے ساتھ اس کی دہلیز پر پڑا رہتا۔

جنید مسعود
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

(3) نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو ،، عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

تشریح :-

اس شعر میں بہادر شاہ ظفرؔ خدا کے حضور اپنی ایک خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خدا ! اگر تُو نے مجھے دنیا میں بھیج کر عشق کے نشے سے سرشار کرنا تھا اور مجھے محبت کرنے کا حوصلہ دینا تھا تو مجھے اتنی مختصر سی زندگی کے بجائے ایک لمبی عمر عطا کرتا تاکہ میں عشق کے تقاضوں کو صحیح معنوں میں پورا کرکے اس عشق سے لطف اندوز ہوتا۔ کیونکہ محبوب کا دل جیتنے کے لیئے آدمی کو آزمائشوں کے طویل سلسلے سے گزرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کے محبوب کو اپنے عاشق کے خلوص اور وفاداری کا یقین آتا ہے۔ اصل میں شاعر کے نزدیک یہ زندگی محبوب کو اپنی وفاؤں کا یقین دلانے کے لیئے بہت تھوڑی ہے۔ اس لیئے شاعر نے اس شعر میں اللہ سے اپنی عمر کے کم ہونے کا شکوہ کیا ہے

(4) تھا جلانا ہی اگر دوریٔ ساقی سے مجھے ،، تو چراغِ درِ میخانہ بنایا ہوتا

تشریح :-

اس شعر میں بہادر شاہ ظفر خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے اللہ! اگر میری قسمت میں شراب خانے کے ساقی سے دور رہ کر جلنا اور تڑپنا ہی تھا تو تُو مجھے شراب خانے کے دروازے پر جلنے والا ایک چراغ ہی بنا دیتا تاکہ میں شراب خانے کو اپنی روشنی سے منور کرتا اور آنے جانے والوں کو راستہ دکھاتا اور شراب پینے والے میری روشنی میں بیٹھ کر شراب سے لطف اندوز ہوتے۔ اصل میں انگریزوں نے شاعر کو وطن سے دور رنگون میں قید کر دیا تھا اور اسے وطن کی یاد بری طرح ستاتی تھی اس لیئے وہ اپنے وطن کو میخانہ تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ اگر میری قسمت میں وطن سے دور رہ کر تڑپنا اور جلنا تھا تو کم ازکم تُو مجھے ایک

چراغ ہی بنا دیتا تاکہ میں وطن کے کسی کونے میں جلتا رہتا اور وطن کو اپنی روشنی سے منور کرتا رہتا۔ یعنی کاش یہ قید اپنے وطن میں ہی ہوتی اور یوں وطن سے دور تڑپ تڑپ کر میں اپنی جان نہ دیتا۔

⑤ شعلۂ حُسن چمن میں نہ دکھایا اُس نے ،، ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

تشریح :۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بلبل کو پھول سے گہری محبت ہوتی ہے اور پروانہ شمع کا عاشق ہوتا ہے اور آگ میں جل مرنے کو اپنے عشق کی معراج سمجھتا ہے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے شاعر اپنے محبوب کے بے پناہ حُسن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر میرا محبوب کبھی باغ کی سیر کو آ جائے تو بلبل جو پھول کی دیوانی ہوتی ہے اور ہر وقت اس کی محبت کا دم بھرتی ہے، وہ پھول کو چھوڑ کر میرے محبوب کے حسن کے شعلے کے گرد منڈلانے لگے اور بلبل کے لیئے پھول کے حُسن میں کوئی دلکشی باقی نہ رہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ میرا محبوب جب اتنا حسین ہے کہ بلبل کو بھی اپنا دیوانہ بنا سکتا ہے تو پھر سوچ لو کہ اس کے حُسن نے مجھے کتنا پاگل کیا ہو گا۔

بقول شاعر:

ناگاہ چمن میں جب وہ گل اندام آ گیا
گل کو شکستِ رنگ کا پیغام آ گیا

[illegible]
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

⑥ صوفیوں کے جو نہ تھا لائقِ صحبت تو مجھے ،، قابلِ جلسۂ رندانہ بنایا ہوتا

تشریح :۔

اس شعر میں بھی بہادر شاہ ظفر خداتعالیٰ کے حضور شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ! میری دلی خواہش تو یہی تھی کہ میں تیرے نیک بندوں کی مجلس میں اٹھتا بیٹھتا اور میرا شمار بھی تیرے پاکباز بندوں میں ہوتا لیکن میری یہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور مجھے نیک لوگوں کی صحبت میسر نہ آ سکی۔ اس لیئے اے خدا اگر میں صاف باطن لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل نہ تھا تو اس محرومی کے بدلے تو مجھے شرابی لوگوں کی صحبت عطا کر دیتا اور مجھے ان کے گروہ کا ایک فرد بنا دیتا تو یہ میرے لیئے بہتر ہوتا تاکہ میں ہر وقت شراب کے نشے میں ڈوبا رہتا اور مجھے اپنے برے وقت پیش آنے کی کوئی ہوش نہ رہتی۔ اور میں اچھا برا کچھ بھی نہ سمجھتا لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور اب تو میری یہ حالت ہے کہ بقول شاعر

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ،، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

⑦ روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر ،، ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

تشریح :

مقطع کے اس شعر میں بہادر شاہ ظفر دنیا کی تکلیفوں اور پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا پریشانیوں کی جگہ ہے۔ یہاں آئے روز نئی نئی خرابیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور لڑائی جھگڑوں کا بازار گرم رہتا ہے۔ جس کے

باعث جینا دشوار ہو گیا ہے۔ اے اللہ! اس سے تو اچھا تھا کہ تُو اس آباد جہان کو کوئی ویران جہاں بنا دیتا تاکہ یہاں شور و غل اور ہنگامہ آرائی کے بجائے خاموشی اور سکون کا راج ہوتا۔ اصل میں شاعر کے زمانے میں انگریزوں نے ہندوستان میں بہت مظالم ڈھائے تھے اور دہلی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ اس لیئے شاعر نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ کاش یہ دنیا کوئی ویران بستی ہوتی، ہر طرف امن و سکون ہوتا اور ایسی بد امنی اور افراتفری نہ ہوتی۔

[redacted]
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

غزل نمبر 2

① لگتا نہیں ہے جی مرا اجڑے دیار میں ،، کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

تشریح:-

مطلع کے اس شعر میں بہادر شاہ ظفر اپنی بے بسی اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا عارضی اور فانی ہے اور یہاں ہر طرف تباہی و بربادی پھیلی ہوئی ہے جس نے مجھے انتہائی بے چین اور بے سکون کر دیا ہے۔ اب اس تباہ و برباد وطن میں میرا دل بالکل نہیں لگتا کیونکہ اب یہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اور اس فانی دنیا سے کسی کی بھی نہیں بنتی اور یہاں کوئی بھی خوش نہیں رہ سکتا۔ اصل میں بہادر شاہ ظفر مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ تھے اور آپ کی بادشاہت برائے نام تھی۔ انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر کے بہادر شاہ ظفر کو رنگون میں قید کر لیا تھا۔ اور اسی قید کے زمانے میں آپ نے یہ غزل کہی اور اپنی بے بسی کا شکوہ کیا ہے۔

② عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن ،، دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

تشریح:-

اس شعر میں بہادر شاہ ظفر اپنی مختصر سی زندگی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ہم اس جہانِ فانی میں اللہ سے چار دن کی بظاہر طویل زندگی مانگ کر لائے تھے لیکن دنیا میں آکر ہمارے دل میں ہزاروں خواہشات اور تمناؤں نے جنم لے لیا اور ہم ان خواہشات اور تمناؤں کو پورا کرنے کے چکر میں لگے رہے اور یوں ہم نے اپنی عمر کے دو دن یعنی آدھی زندگی آرزوؤں اور تمناؤں کے جمع کرنے میں ضائع کر دی۔ اور باقی کے دو دن ہم نے اس انتظار میں کاٹ دیئے کہ کب ہماری یہ تمنائیں اور خواہشات پوری ہوں گی۔ لیکن افسوس کہ ابھی ہماری یہ تمنائیں اور آرزوئیں پوری نہ ہوئی تھیں کہ موت کا بلاوا آگیا اور ہماری یہ مختصر سی زندگی ختم ہو گئی۔ چنانچہ ہم اپنی خواہشات کو سینے میں دفن کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

③ بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ ،، قسمت میں قید لکھی تھی فصلِ بہار میں

تشریح

بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون میں قید کر لیا تھا۔ اس لیئے اس شعر میں بلبل کا لفظ شاعر نے اپنے لیئے، باغباں کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیئے اور صیاد کا لفظ انگریزوں کے لیئے بطورِ استعارہ استعمال کیا ہے۔ جب بہار کے موسم میں

باغ کے بلبل کو کوئی شکاری قیدی بنا لے تو اُسے بہت دُکھ ہوتا ہے کیونکہ اُسے باغ کے خوبصورت نظاروں سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن بلبل اپنی قسمت پر راضی رہتا ہے اور وہ باغبان سے شکایت نہیں کرتا کہ تم نے شکاری کو باغ کے اندر آنے کی اجازت کیوں دی اور نہ ہی وہ شکاری سے کوئی گلہ شکوہ کرتا ہے۔ اسی طرح شاعر کہتا ہے کہ مجھے بھی بہار کے موسم یعنی بادشاہت کے زمانے میں تخت سے اتار کر قید کر لیا گیا ہے لیکن میں اپنی قسمت کے اِس لکھے پر راضی ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ اور انگریزوں سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب میرے نصیب میں لکھا تھا۔

④ کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں ،، اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں

تشریح :

اس شعر میں بہادر شاہ ظفر اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں بادشاہ بنا اور تخت پر بیٹھا تو میرے دل میں بہت سے ارمان تھے کہ میں اپنی صلاحیتوں کے ذریعے ملک کی حالت میں بہتری لاؤں گا اور عوام کو خوشحال بنا دوں گا لیکن مجھے اپنے ان ارمانوں کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا اور مجھے بادشاہت سے معزول کر کے قیدی بنا لیا گیا۔ میں نے زمانے کے ہاتھوں اپنے دل پر اتنے زخم کھائے ہیں کہ اب مزید زخم کھانے کی گنجائش ہی نہیں ہے اور میرا دل ان زخموں سے اتنا چھلنی ہو گیا ہے کہ اب مجھے اور زخم سہنے کی ہمت نہیں ہے۔ اس لیئے میرے ان ارمانوں سے کہہ دو کہ کسی اور کے دل میں جا کر بسیرا کر لیں اور وہاں جا کر اپنا شوق پورا کر لیں، ممکن ہے کسی اور کے دل میں مزید زخم کھانے کا حوصلہ ہو۔

بقول شاعر : میں نے سمجھا تھا، زخم بھر جائیں گے ۔۔۔ زخم ہی زخم بھر گئے مجھ میں

⑤ کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیئے ،، دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں

تشریح : مقطع کے اس شعر میں بہادر شاہ ظفر ایک پیشنگوئی کر رہے ہیں جو اُن کی وفات کے بعد سچ ثابت ہوئی۔ شاعر اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں اتنا بدنصیب انسان ہوں کہ جس ملک کا میں بادشاہ تھا اس ملک میں مجھے دفن ہونے کے لیئے ذرا سی زمین کا ٹکڑا بھی نہیں مل سکا۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ عمر کے آخری حصے میں میری آنکھیں وطن کو دیکھنے کے لیئے ترستی رہیں اور جب میں فوت ہوا تو مجھے دفن کے لیئے وطن کی مٹی بھی نصیب نہ ہوئی اصل میں انگریزوں نے جب دہلی پر حملہ کیا تو بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے برما کے شہر رنگون میں قید کر دیا اور آخر کار شاعر کی موت بھی اپنے وطن سے دور رنگون ہی میں آئی اور اُسے وہیں دفن کر دیا گیا۔

جنید حمید
لیکچرار اردو پاکستان سائنس کالج
0314-4470007

ختم شد

23 رمضان 2016ء